حقوق اللہ وحقوق العباد کی پامالیاں اور ان کی اصلاح
پر مشتمل کتاب
راہِ نجات
مؤلف
عبدالرقیب نسیم مصباحی
ناشر
حافظ وقاری محمد نفیس عالم اشرفی جمال نگر سہرسہ، بہار
خادم التدریس: بسراج المجتبیٰ دار الحفظ مخدوم اشرف مشن پیران پیر، مالدہ بنگال

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ (سورة: الرعد ۲۱)

اور وہ کہ جوڑتے ہیں اُسے جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا۔ (کنزالایمان)

مؤلف

عبدالرقیب نسیم مصباحی

ابن نسیم الدین، جمال نگر، سہرسہ بہار

ناشر

حافظ محمد نفیس عالم اشرفی جمال نگر سہرسہ، بہار

خادم التدریس: سراج المجتبیٰ دارالحفظ مخدوم اشرف مشن پیران پیر، مالدہ بنگال

موبائل نمبر

8116758654

کتاب	:	راہ نجات
مؤلف	:	عبدالرقیب اشرفی نسیم مصباحی
تصحیح	:	مولانا احمد عباد اشرفی مصباحی فاضل اشرفیہ
نظر ثانی	:	حضرت علامہ مولانا خورشید عالم مصباحی
کمپوززنگ	:	مولانا نقیب احمد اشرفی علائی (سہرسہ بہار)
پروف ریڈنگ	:	مولانا افسر مصباحی، مولانا شہباز عالم مصباحی
		مولانا قاضی اخلاق مصباحی مولانا اعجاز عالم مصباحی
		مولانا ارشد رضا مصباحی، مولانا کوثر رضا مصباحی
اشاعت اول	:	جمادی الثانی ۱۴۴۰/ھ بمطابق فروری ۲۰۱۹/ء
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	....
صفحات	:	۱۸۴
ناشر	:	حافظ و قاری محمد نفیس عالم اشرفی. خادم التدریس: سراج المجتبیٰ

دارالحفظ مخدوم اشرف مشن پیران پیر مالدہ بنگال: 8116758654 - 8407881655

ملنے کے پتے

حافظ و قاری محمد نفیس عالم اشرفی۔ سراج مجتبیٰ دارالحفظ مخدوم اشرف مشن پیران پیر مالدہ بنگال

کلیمیہ بکڈپو، نیو کلیمیہ بکڈپو، اسلامیہ بکڈپو: پانچ تالا مسجد کلیاچک مالدہ بنگال۔

المجمع الاسلامی۔ ملت نگر مبارک پور اعظم گڑھ

مدرسہ انوار العلوم قادریہ۔ سربیلہ سہرسہ بہار

مدرسہ فیضان وارث ہریواہ سہرسہ بہار: مولانا سلیم القادری نعیمی: 7091203172

مضامین و مشمولات

شرف انتساب

مجدد وقت حجۃ الاسلام امام غزالی

محبوب سبحانی سیدنا غوث اعظم عبد القادر جیلانی

سراج الامت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی

مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی، تارک السلطنت میر سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی

مجدد سلسلہ اشرفیہ سرکار اعلیٰ حضرت اشرفی میاں

مجدد دینِ ملت سرکار اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ

حضور اشرف الاولیا علامہ سید مجتبیٰ اشرف اشرفی جیلانی بانی مخدوم اشرف مشن

و جملہ صوفیاے کرام، فقہاے عظام اور اکابرین اہل سنت کے نام جنھوں نے اپنے لیل و نہار احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے وقف کر دیا۔

"گر قبول افتد زہے عزو شرف"

\

\

خاک پاے اولیا

عبد الرقیب اشرفی نسیم مصباحی

درجہ: فضیلت

جامعہ اشرفیہ مبارک پور

تہدیہ

جملہ اساتذہ کرام جو ہماری جفاکشی اور مساعی جمیلہ کو بار آور بنانے کے لیے ہمہ وقت مصروف رہے۔

اور اپنے والدین کریمین جنہوں نے میری اچھی تربیت کی اور تعلیم میں اپنی تمام تر کوششیں صرف کرکے مجھے اس لائق بنایا، برادر کبیر حافظ و قاری محمد نفیس عالم اشرفی و مولانا نقیب احمد اشرفی علائی جن کی نگرانی نے علم دین جیسی عظیم نعمت کی حصول یابی کرائی اور جملہ احباواقربا کی بارگاہ میں جن کی دعاؤں خصوصًا حضرت سید مدار اشرف اشرفی جیلانی کے عظیم مشورے اور حضرت سید اوحدالدین معاذ اشرف اشرفی جیلانی کی انتھک کوشش نے مجھ ناچیز کو کسی لائق بنایا۔

برائے ایصال ثواب

جدِ کریم وسیم الدین۔۔ جدہ کریمہ بیوی خاتون۔ حلیمہ خاتون۔ سیدہ خاتون

نانا بدرالدین۔ (دادا) بشیرالدین۔ مولانا عبدالرشید۔ احمد علی۔ دبیرالدین

جسیم الدین۔ مجیب الدین۔ عبدالشکور۔ چچا مشتاق

مولانا خالد، موانا عبدالرحیم

عرض گزار

احقر العباد

عبدالرقیب اشرفی نسیم مصباحی

جمال نگر سہرسہ بہار

پیش لفظ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوۃ والسلام علیٰ رحمۃٍ لِّلعٰلمین وعلیٰ آلہٖ
واصحابہٖ اجمعین

دنیا میں پیدا کیے جانے کا مقصد ہی آخرت کی تیاری کرنا ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا ہمارا ہدف معین ہونا چاہیے، زندگی کے تمام تر شعبوں میں اسوہ حسنہ کا مظاہرہ کرکے دین اسلام کو دنیاوالوں کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنانا چاہیے، امربالمعروف ونہی عن المنکر کی پابندی ہمارا اولین فریضہ ہونا چاہیے، لیکن دور حاضر میں اہل اسلام بھی نصاریٰ، یہود اور ہنود کا روش اختیار کر چکے ہیں، آخرت کے بجائے دنیاوی زندگی اور اس میں پائے جانے والے عیش و آرام کا حصول ہی ان کا مقصد اصلی ہے، اطاعت خدا ورسول ﷺ کی جگہ اپنا رہبر و رہنما اہل مغرب کو بنا لیے ہیں، دنیاوی جاہ و مرتبت حاصل کرنا ان کا ہدف معین ہے، حقوق اللہ کی پامالیاں اور بندوں کی حق تلفیاں ان کا شعار بن چکا ہے جن کی وجہ سے پوری دنیا میں مذہب اسلام مجروح ہے۔

چند ساتھی مل کر رسالہ کی شکل میں حقوق اللہ و حقوق العباد میں پائی جانے والی کوتاہیاں اور خامیاں کی نشاندہی کرنے کے ارادہ سے حضور مصلح قوم وملت علامہ **مفتی مصلح الدین قادری** مصنف شان خطابت کی بارگاہ میں نصف صفحہ پر مشتمل تحریر جو کتاب میں اہم عناوین کی

حیثیت رکھتی ہے، پیش کیا۔ الحمد للہ رب العالمین حضور مصلح قوم و ملت نے امید سے زیادہ حوصلہ افزائی فرمائی، ساتھ ہی کتابوں کی طرف بھی رہنمائی فرمائی۔

کنز مصلحی مولانا نعیم الدین، مولانا افضل حسین برکاتی (مدھوبنی) مولانا محمد مرتضیٰ قادری (بلرام پور) مولانا وسیم چشتی مکرانی (ساگر ایم پی) یہ لوگ از ابتدا تا انتہا ہر قدم پر ساتھ رہے اور مواد کی تلاش و جستجو میں اہم کردار نبھایا۔ الحمدللہ آج یہ کتاب حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ عنہ کے فیض اور بزرگوں کے کرم سے معرض وجود میں آچکی ہے۔ حقیقت میں میری اس کاوش کا سہرا اگر کسی کے سر جاتا ہے تو وہ میرے والدین کریمین کی محنت و جانفشانی، مخدوم العالم شیخ علاء الحق پنڈوی کا فیض روحانی، مشفق اساتذہ کی مہربانی اور برادر کریم حافظ و قاری محمد نفیس عالم اشرفی اور مولانا نقیب احمد اشرفی علائی کی نگرانی ہے۔

میں احسان مند ہوں مخدوم اشرف مشن کے تمام اساتذہ کا جن کی بدولت قلم پکڑنے کی ہمت ہوئی، اور حضرت علامہ **مولانا خورشید عالم مصباحی** (سہرسہ بہار) کا جنہوں نے اس کتاب پر نظر ثانی فرمائی اور ایک اہم تقریظ سے نوازا۔ بے حد ممنون ہوں حضرت **مولانا احمد عباد قادری مصباحی** (ممبئی) کا جنہوں نے میری ناقص تحریر کو ایک نیا رنگ دے کر کتاب کے لائق بنایا۔ مولانا افسر رضا مصباحی، مولانا کوثر رضا مصباحی، مولانا شہباز عالم مصباحی، مولانا محمد اعجاز عالم مصباحی، مولانا محمد قاضی اخلاق مصباحی اور مولانا محمد ارشد رضا مصباحی کا بھی احسان مند ہوں جنہوں نے پروف ریڈنگ کا کام سنبھالا۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر مولانا مسعود علی مصباحی (مالدہ) مولانا عبدالقادر مصباحی (پورنیہ) مولانا فیصل آزاد مصباحی (کٹیہار) مولانا ابوالفضل مصباحی، مولانا شبیہ انور مصباحی (پورنیہ) مولانا پرویز مشرف مصباحی (کٹیہار) کا شکریہ ادا نہ کروں؛ جنہوں نے ہماری ہر طرح سے مدد کی۔ اور ان تمام احباب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے دامے درمے سخنے اس کار خیر میں حصہ لیا۔

ہمارے اس سفر میں مولانا ارشاد عالم مصباحی (سہرسہ) مولانا عقیل مصباحی (گجرات) مولانا احمد رضا مولانا توصیف رضا اور مولانا نور عالم (کشن گنج) حافظ صبیح قمر، حافظ مسیح قمر، حافظ فیضان فیصل، حافظ موصوف رضا اور حافظ ارمان رضا اشرفی (جمال نگر سہرسہ) حضرت صہیب اکمل اشرفی (سہرسہ) نے خوب ساتھ نبھایا۔ میں اپنی اس کاوش کو امت مسلمہ کی خاطر تحفہ نجات کے طور پر پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے قبول عام فرمائے!

آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

فقیر

عبدالرقیب اشرفی نسیم مصباحی

جمال نگر سہرسہ بہار

اعتذار

انسان خطا اور نسیان کا پتلا ہے۔ تمام تر کوششیں اور جدوجہد کے بعد بھی کوئی خامی رہ جائے یہ اس سے بہت حد تک ممکن ہے، اس لیے کتاب میں اگر کوئی خامی رہ گئی ہو تو برائے کرم ازروئے اصلاح خالصتہ لوجہ للہ آگاہ فرمائیں؛ ان شاء اللہ عزوجل اگلے اڈیشن میں اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔

عبدالرقیب اشرفی نسیم مصباحی

phone.no:9453060326-7280844390

Gmail..abdurraqueebmisbahi@gmail.com

دعائیہ کلمات

پیر طریقت رہبر شریعت جلالۃ العلم تاج الاولیا

حضرت علامہ ڈاکٹر **سید محمد جلال الدین اشرف** اشرفی جیلانی

دامت برکاتھم القدسیہ

سربراہ اعلیٰ: مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف مالدہ بنگال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دور حاضر فتنوں اور ظلم کا دور ہے، مسلمان اپنے عظیم ورثے سے غافل بیٹھے ہیں، عقائدِ حقہ اور اعمالِ صالحہ کے ڈگر سے دور لاعلمی کا شکار ہیں، ایسے میں محبِ گرامی مولانا **عبدالرقیب مصباحی** سلمہ نے معاشرتی خرابیوں پر قلم اٹھایا اور ضروری معلومات پر مشتمل ایک دستاویز فضل مولیٰ تعالیٰ سے تیار کی ہے، جس میں عقائدِ ضروریہ، فرائض وواجبات اور متعلقین کے حقوق پر معتمد ومستند کتابوں کے حوالے سے گفتگو کی ہے۔

مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس علمی کاوش کو قبولِ عام عطا فرمائے، اور مزید خدمات دین بجالانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

سید محمد جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی

سربراہ علیٰ: مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف مالدہ بنگال

۲۴/ ربیع الثانی/ ۱۴۴۰ھ بمطابق ۳۱/ دسمبر ۲۰۱۸ء

تقریظ جلیل

پیر طریقت مصنف شان خطابت حضرت علامہ مفتی محمد مصلح الدین صاحب قادری
شیخ الحدیث مدرسہ حبیبیہ اسلامیہ لعل گوپال گنج
الہ آباد: یوپی

تصنیف و تالیف کی توفیق رحمت خداوندی ہے، مولیٰ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے غیب داں رسول ﷺ کے طفیل عطا فرماتا ہے۔ اس میں استقلال و ثبات ہے۔

منظر عام پر آئی ہوئی تصنیف نہ جانے کہاں کہاں جاتی ہے اور کس کس کو فیض یاب کرتی ہے، اور مختلف دروں پر جا کر فیض و برکات کی خیرات تقسیم کرتی ہے، اور مصنف و مؤلف کے نامۂ اعمال میں نیکیوں برکتوں کا اضافہ کرتی ہے۔

عزیز ارشد حافظ و قاری جناب مولانا **عبدالرقیب نسیم مصباحی** سلمہ اللہ تعالیٰ ہنوز نو آموز مؤلف ہیں ان شاء اللہ آئندہ کہنہ مشق مؤلف ہوجائیں گے، موصوف کی تالیف میں ایمانی حوصلہ ہے، اسلامی جذبہ ہے، اذعانی امنگ ہے، ایقانی ترنگ ہے، موصوف نے جن موضوعات کو اپنی کتاب کے لیے منتخب کیا ہنوز ان کی ضرورت ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طفیل آپ کی ہم دست کتاب **"راہ نجات"** کو قبول فرمالے اور سلمہ کو صحت و خور سندر کھے۔

آمین! بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم

ابوالفصیح محمد مصلح الدین قادری

سجادہ نشیں خانقاہ قادریہ رضویہ برہانیہ لعل گوپال گنج الہ آباد یوپی

۱۳/ ربیع الثانی/ ۱۴۴۰ھ بمطابق: ۲۱/ دسمبر ۲۰۱۸ء

تقریظ جلیل

بقیۃ السلف صوفی باصفا جامع معقولات و منقولات

حضرت علامہ و مولانا خورشید عالم مصباحی

استاذ: الجامعۃ الرضویۃ ضیاء العلوم ادری مئو یوپی

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی اہل سنت والجماعت کا وہ ممتاز و مشہور دینی وعلمی ادارہ ہے جس کی خدمت کا دائرہ بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے، اس کی بنیادوں میں شیخ المشائخ قطب ربانی حضرت مولانا علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی اور حضور صدر الشریعۃ حضرت مولانا امجد علی اعظمی و دیگر علما و مشائخ اہل سنت و جماعت کی دعاؤں اور جلالۃ العلم حافظ ملت مولانا عبدالعزیز مرادآبادی کے اخلاص عمل کا ایسا ذو فشاں پتھر لگا ہوا ہے جو اپنی ضیابار کرنوں اور اپنی خدمات اور لازوال کارناموں کی بدولت عالم گیر شہرت کا حامل ہے۔

اشاعت دین و حمایت مسلک کے لیے سب سے مضبوط اور مؤثر ذریعہ تحریر ہے، الجامعۃ الاشرفیہ کے طلبہ کو قلمی ذوق اور تحریری سرگرمیوں میں فوقیت حاصل ہے ہونہار و باذوق طلبہ اپنی علمی و ادبی صلاحیت کو نکھارنے کے لیے اور تحریری مشق پیدا کرنے کے لیے جدارے وغیرہ نکالتے رہتے ہیں۔

بڑی مسرت اور خوش آیند بات ہے کہ ادھر کئی سالوں سے دستار فضیلت کے موقع پر تحریری ذوق رکھنے والے ہونہار طلبہ اپنی دینی و تبلیغی سرگرمیوں کو کتابی شکل میں پیش کرتے ہیں

انہیں باذوق طلبہ میں عزیز مکرم حافظ **مولانا عبد الرقیب اشرفی** سلمہٗ زید علمہٗ وفضلہٗ ہیں، انہوں نے اصلاح معاشرہ کے موضوع پر اس کتاب ''راہ نجات'' کو بڑی محنت و مشقت سے ترتیب دیا ہے، یہ کتاب مولانا موصوف کی پہلی علمی کاوش ہے۔ میں نے ان کی کتاب پر طائرانہ نگاہ ڈالی ہے اور اسے عوام و خواص کے لیے مفید پایا ہے۔

دعا ہے کہ ان کی کوشش اور کاوش کو رب تعالیٰ قبول فرمائے، انہیں مزید دین متین کی خدمت کی توفیق بخشے اور انہیں دارین میں بہتر سے بہتر صلہ عطا فرمائے۔

آمین! بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا خورشید عالم مصباحی

خادم التدریس : الجامعۃ الرضویۃ ضیاء العلوم ادری مئو

۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ بمطابق: ۲۵/ دسمبر ۲۰۱۸ء

کلمات تبریک

شہزادہ حضور تاج الاولیا حضور سید اوحد الدین معاذ اشرف اشرفی جیلانی مصباحی کچھوچھوی مدظلہ العالی والنورانی

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دور حاضر میں مسلمانوں کی بے عملی و بد عملی کے سبب قرآن وسنت پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جا رہے ہیں ،اور باطل کی طرف سے پیہم حملوں کا سلسلہ جاری ہے، ہم نے بحیثیت مجموعی اور معاشرتی سطح پر اگر اپنے سماج کو ایک مثالی اور سچا اسلامی سماج بنایا ہوتا تو اسلام کی بہاریں دیکھ کر اہل دل کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور کفر کا وجود لرز کر رہ جاتا، مگر ہم اللہ و رسول کی نافرمانی کر کے ذلت و رسوائی کی گہری وادیوں میں جاگرے۔

اب بھی وقت ہے کہ مسلمان اپنے اسلاف کی روش اختیار کریں، اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طرز زندگی بنائیں ، باہمی اختلافات کو پس پشت ڈال کر خالصۃً لوجہ اللہ ایک خالص اسلامی بنیادوں پر مشتمل معاشرے کی تشکیل کریں تاکہ پھر ہند کے بت خانوں سے لے کر یورپ کے کلیساؤں میں اذانوں کی دل نشیں صدائیں فضاؤں میں ارتعاش پیدا کریں۔ لازم اولین ہے کہ ہم غفلت کی تنگ و تاریک کوٹھریوں کی دیواریں توڑ کر باہر نکلیں اور میدان عمل میں سرگرم ہو جائیں۔

ایسے تاریک ماحول میں اصلاح احوال المسلمین کے لئے محب گرامی عزیزم مولانا عبدالرقیب اشرفی مصباحی سلمہٗ زید علمہٗ وفضلہٗ نے مختلف معتمد و مستند کتابوں سے جواہر پارے اخذ کر کے انہیں کتابی شکل دی ہے، اسلوب دردمند اور ناصحانہ ہے۔

موصوف ایک صالح نوجوان، صوم و صلات کے پابند اور ملت کے ابھرتے ہوئے الولعزم مصنف ہیں۔ ہم نے مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف میں ایک ساتھ درس نظامی کا آغاز کیا اور ابتدائی کتابیں ساتھ ہی پڑھیں ۔ درجہ ثالثہ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ الجامعۃ الرضویہ ضیاء العلوم ادری چلے گئے اور پھر وہاں سے مرکز علم و فن الجامعۃ الاشرفیہ میں داخلہ لیا؛ اور تادم تحریر درجہ فضیلت سالہ اخیر کے طالب علم ہیں۔ موصوف کے گھر سے ہمارا ایک گونہ تعلقِ خاطر استوار ہے، اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا۔آپ کے بھائیوں کا تعلق بھی مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف سے ہے۔

تعلیمی رفاقت کے ایام میں ہی مجھے مصنف کی صلاحیتوں اور خوبیوں کا اندازہ ہو چلا تھا، درس تمرین، تفہیم و تکرار میں پیش پیش رہے ہیں، اور اب لوح و قلم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر دفاعِ دین کا فریضہ انجام دیں گے۔

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کتاب "راہ نجات "کو خاص و عام اور انقلابِ مسلمین کا سنگ میل بنائے، نیز راہ عمل کے مسافروں کے لیے رہبرِ روز و چراغِ شب کا کام دے۔

آمین! بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

سید اوحد الدین معاذ اشرف اشرفی جیلانی مصباحی

کچھوچھوی

متعلم: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

۲۴ر ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ بمطابق: ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۸ء

تاثرات گرامی

فاضل جلیل حافظ و قاری مولانا **احمد عباد اشرفی مصباحی**
بھیونڈی ممبئی (مہاراشٹر)
متعلم: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حکم "کُنْ" سے اس وسیع و عریض کائنات کو صفحۂ ہستی پر نقطۂ وجود عطا کیا، لاتعداد سیاروں کی انجمنیں آباد کی، شامیانہ فلک میں ستاروں کی قندیلیں آویزاں کی، روئے زمین پر آدم خاکی کو اپنی نیابت کا شرف عطا کیا اور اس کے ماتھے پر **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ** کا سہرا سجایا، اس کے جسد خاکی میں لاتعداد خوبیاں اور متضاد صفتیں ودیعت کیں، اس کے وجود کو دو عالم کا آئینہ بنا دیا، جہاں اسے عقل عطا کی تو وہیں اس کے پیروں میں شہوت کی بیڑیاں بھی ڈالیں، ایک طرف اس کے پہلو میں حساس اور گداز قلب رکھا تو دوسری طرف یہی بندۂ خاکی احساسات سے پرے وحشت اور درندگی کی تمام حدیں پار کر کے دنیا کو ورطۂ حیرت میں بھی ڈال دیتا ہے، اس بندۂ خاکی کو نور ونار سے بے نیاز کر دیا جو اپنا وجود پہچان لے تو آسمان پر کمندیں ڈال دیتا ہے، ایسا شاہین کہ سدرۃ المنتہیٰ جس کا آشیانہ ہے، تمام مخلوق کو انسان کی خدمت پر مامور کیا، اور خود اسے اپنی عبادت کا حکم دیا۔

وہ آدم خاکی جس کے عروج سے ماہ وانجم سہمے جاتے ہیں، اس کی فطرت کے لاتعداد جلوے اور طبیعتوں کے مختلف تقاضے ہیں، جہاں عقل کی جولانیاں ہوتی ہیں وہیں مسائل اپنے ان گنت چہروں کے ساتھ جنم لیتے ہیں۔

انسان فطرتاً حریص اور جھگڑالو واقع ہوا ہے، اور انھیں صفتوں کے زیر اثر دنیا میں برپا

ہونے والے مظالم اور حق تلفیاں نسل انسانی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگاتی رہتی ہیں، انسانی فطرت اپنے لاتعداد چہروں کے ساتھ مسائل کے انبار لیے کھڑی ہے، محدود سی عقل رکھنے والے انسان کے بس میں نہیں ہے کہ وہ نسل انسانی کے سارے مسائل کے تصفیہ کے لیے جامع قانون سازی کرے جو کہ زندگی کے ہر شعبے کو محیط ہو، غیر جانب داری کے ساتھ مفادات کا تحفظ کر سکے اور بنی نوع انسان کے تمام مسائل کے تصفیہ کے ضامن ہو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عدل و انصاف پر مبنی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک ﷺ کو دیگر انبیا کرام کی طرح قرآن مجید فرقان حمید کی شکل میں ایک ابدی دستور عطا کیا جو کہ فطرت سے ہم آہنگ حکمتوں سے لبریز اور عدل وانصاف کے منتہائے کمال پر جلوہ افروز ہے، خالق دو جہاں نے ہر مسئلے کا حل اور نزاع شریعت اسلامیہ میں ودیعت فرمادیا۔

حکومتیں کفر کے ساتھ تو چل سکتی ہیں مگر ظلم کے ساتھ نہیں، آج آئے روز نئے انقلابات اور ایک ہمہ گیر عالمی اضطراب اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ کمیونزم سوشل ازم، سیکولرازم، نام نہاد ڈیموکریسی اور انسانوں کے بنائے ہوئے قانون لوگوں کو انصاف دینے میں ناکام نظر آتے ہیں۔

زمین کے سینے پر لڑی جانے والی خوف ناک اور تباہ کن جنگیں کشت و خون اور جنگ عظیم اول و دوم اسی باطل اور غیر اسلامی نظام کی پیروی کا شاخسانہ ہے جن کا آغاز غیر اسلامی قوتوں نے کیا، طاغوت کی پیہم یہ کوشش رہی ہے کہ دنیا میں صرف ایک نظام ہو، ساری دنیا، ساری قومیں اور سارے مذاہب کے پیروکار، غرض کہ روئے زمین پر ہر شَے ایک مخصوص دجالی نظام کے تحت ہو، آج عالمی قوتوں کو مسلمانوں کے نماز روزے، حج و زکات سے خطرہ اور تشویش نہیں، اگر ان کے باطل نظریات کے گلوں پر چھری چلتی ہے تو صرف اسلامی نظام کے نفاذ سے۔

انھیں بندگان خدا کی آزادی اور فلاح و بہبودی منظور نہیں، یہ نظریات کی جنگ ہے، جنگیں نظریات کی آڑ میں برپا کی جاتی ہیں، مسلمانان عالم اور پوری ملت رسول ﷺ کو خلافت کی قبا تار تار کرکے یتیمی کی تاریک اور پر پیچ گھاٹیوں میں دھکیل دیا گیا ہے، آج مسلمانوں کو خطۂ زمین پر اللہ کا حکم نافذ کرنے سے پہلے درون خانہ شریعت اسلامی کو آئین زندگی کی حیثیت سے قبول کرنا ہوگا، منصب افتا و قضا پر متمکّن اجلہ علماے ربانیین کو اپنا فیصل و منصف تسلیم کرکے ان کے قلم سے نکلنے والے فتووں کو سپریم کورٹ میں بیٹھے مغربی قاضیوں کے فیصلوں پر ترجیح دینی ہوگی، اپنی نسلوں کو احکام شرعیہ پر عمل پیرا کرنا ہوگا، ایسی نسل تعمیر کرنی ہوگی کہ جس کی اذانوں سے شبستان وجود لرزتے ہوں، وہ نسل جو شاہین شہ لولاک ہو، اس نسل نو کی زلف برہم کی مشاطگی کرنی ہے جو اپنے عہد میں بناے لاالہ اور دین کی پناہ ہو، جس کا ہر فرد براہیم سا ایماں رکھتا ہو، جس کے عظمت و جلال کے آگے طاغوت کے پجاریوں کو اختلاج ہونے لگے اور عالم کفر پر لرزہ طاری ہو جائے، جن کی ہاں اور نہ میں اقوام عالم کی تقدیروں کے فیصلے ہوں، اور ایسا صرف اس وقت ممکن ہے جب یہ قوم اپنا وجود اور سب کچھ خدا اور رسول ﷺ کے ہاتھوں فروخت کردے، شریعت اسلامی کو سینے سے لگائے رکھے، قرآن کریم کو اپنا ہادی اور رہ نما تصور کرے، اپنا تشخص، وجود زندگی سب کچھ دین کے ساتھ اس طرح وابستہ کرے ایک مسلمان ملت کا وجود بلکہ اس کا تصور مطلق بھی دین سے جدا کرکے فرض نہ کیا جاسکے۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

ہر جھگڑے اور اختلاف کی بنیادی وجہ عموماً حق تلفی ہوا کرتی ہے، شریعت اسلامیہ نے سارے حقوق انسان کو عطا کیے ہر شخص کو ہر جہت سے قرار واقعی حق عنایت کیا، مرد و عورت بڑے چھوٹے، حاکم محکوم، امیر اور غریب، کے مابین معاملات کی تفصیل اور زندگی کے ہر مرحلے

کو بالتفصیل بیان کردیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو حکومتیں یا معاشرتی زندگیاں اسلامی قوانین کی پیروی کرتی ہیں تو وہاں امن وسکون اور طمانیت قلب کا دور دورہ ہوتا ہے۔

آج بدقسمتی سے ہمارے یہاں اسلامی حکومتوں کا قیام نہیں ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ خانگی زندگی کو پرسکون بنانے کے لیے حقوق العباد کا علم حاصل کریں اور از خود دوسروں کے حقوق فراخ دلی سے ادا کریں جن کی ادائیگی کا اللہ ورسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے، یہ دنیاوی زندگی کی ضرورت بھی ہے اور اللہ وحدہٗ لاشریک کا حکم بھی، اور اخروی اعتبار سے بھی عدم تعمیل کی صورت میں ذلت ورسوائی اور خوف ناک عذاب ہے۔

اللہ وحدہٗ لاشریک کا حق ہم پر سب سے زیادہ ہے، اس نے ہمیں پیدا کیا، وجود بخشا، دنیا کی ہر نعمت عطا کی، اسلام دیا، ایمان دیا قرآن دیا، سب پر مستزاد یہ اپنا محبوب ہمیں عطا کر دیا ورنہ آج کون اپنا محبوب کسی کو دیتا ہے۔ ہمیں رزق عطا کرتا ہے، بلاؤں، مصیبتوں سے محفوظ رکھتا ہے، غرض کہ بے شمار احسانات لاتعداد انعامات اور ان گنت عطائیں ہر لمحے ہم پر سایہ فگن ہوتی ہیں تو ایسے رحیم و مہربان رب کے بھی کچھ حقوق ہیں جو فرائض و واجبات کی شکل میں، ایمان و توحید کی صورت میں ہمیں عطا کیے گئے ہیں، تو ہم پر لازم ہے کہ اپنے مقصد حیات اور رازِ کُنۡ فَیَکُوۡنُ کا ادراک کریں۔ اور یہ بات جگ ظاہر ہے کہ ان کی وقعت وقیمت ایمان اور عقائد حقہ پر موقوف ہے، اور جان ایمان مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی ذات بابرکات ہے، جو منبع نور اور سرچشمۂ ہدایت ہے، آپ محبوب رب دو جہاں ہیں، دین اسلام کو نہایت مشقتوں سے ہم تک پہنچایا، قران عطا کیا اور رب تعالیٰ کی معرفت سے سینوں کو روشن کیا تو امت پر آپ کے بھی بے شمار حقوق ہیں۔

زیر نظر کتاب میں عقائد حقہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد پر بحث کی گئی ہے جو دل نشیں اسلوب اور تسلسل کے پیرایے میں سارے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جنہیں ایک مسلمان کے علم آنا بے حد ضروری ہے۔

فاضل مصنف اپنی اس علمی و قلمی کاوش میں کس قدر کامیاب ہوئے اور کس حد تک آپ نے تشنگان علوم کی سیرابی فرمائی اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

خدائے غافر و عظیم سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مقبول انام اور نافع خواص و عوام بنائے اور اس دستاویز کو امت رسول ﷺ کی فلاح و بہبودی کا سنگ میل بنائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

مومن احمد عباد اشرفی مصباحی

بھیونڈی ممبئی

جماعت: فضیلت

متعلم: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

یوپی

۱۷ر ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ بمطابق: ۲۵ر دسمبر ۲۰۱۸ء

کلمات تحسین

حضرت حافظ و قاری مولانا **وسیم چشتی مکرانی مصباحی**

صدر بازار ساگر ایم پی

نحمدك يا الله ونصلى ونسلم عليك يا رسول الله ﷺ وعلى آلك

واصحابك وعلماء امتك يا حبيب الله ﷺ

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں تمام مکتب فکر کے لوگوں کا کما حقہٗ خیال رکھا گیا ہے ،اور تمام لوگوں کے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ایک بہترین نمونۂ عمل ہے۔ ہماری زندگی میں جب کبھی مصیبتوں اور پریشانیوں کی سخت مشکل گھڑی آتی ہے تو ہم بغیر کسی چوں چرا کے اس کا حل نکالنے میں لگ جاتے ہیں ،مگر ہم یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ آخر یہ تمام مصائب وآلام کہاں سے اور کیوں رونما ہوئے ہیں۔

امن وامان کا ضامن مذہب اسلام ہے، لیکن آج پوری دنیا اسلام مخالف ہے اور اہل اسلام کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جارہا ہے۔ جب ہم اس کی وجہ اور بنیادی سبب جاننا چاہتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ راہ حق سے دوری ور دوسروں کی حق تلفی ہے۔ صدہا کوشش کے باوجود ہم سے اکثر ایسی کوتاہیاں سرزد ہوجاتی ہیں جنھیں ہم زندگی کے تمام تر گوشوں میں جاننے یا اس کی تلافی کی کوشش نہیں کرتے ۔ وہ ہماری لااُبالی پن کا نتیجہ ہے یا پھر خود کی لاعلمی اس کے لیے شرمندگی و پشیمانی کے اوقات پیدا کرتی ہے۔

اس وقت آپ کے ہاتھوں میں کتاب بنام راہ نجات ہے، یہ اسی سلگتے ہوئے موضوع اور حساس مسئلہ کی عقدہ کشائی کی خاطر منصۂ شہود پر لائی گئی ہے، جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد میں پائی جانے والی خامیوں اور کوتاہیوں کی حتی الامکان نشاندہی کی گئی ہے، اور قرآن و حدیث سے اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں عزیزم مولانا **عبدالرقیب نسیم مصباحی ابن نسیم الدین** سلمہ نے اپنی انتھک کوششوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہم اہم باتوں کو خوبصورت دلائل اور عمدہ انداز میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو عوام وخواص کے لیے یکساں طور پر مفید اور راہ نجات کی طرف لے جانے والی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کتاب کو اپنے حبیب ﷺ کے صدقے شرف قبولیت بخشے اور دین اسلام کی اشاعت کے لیے موصوف کو مزید زور قلم عطا فرمائے۔

آمین! بجاہ سیّد المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

محمد وسیم چشتی مکرانی

صدر بازار ساگر ایم پی

متعلم: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

یو پی

۱۹ ؍ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ بمطابق: ۲۷؍ دسمبر ۲۰۱۸ء

تقدیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے بغیر کسی نمونہ کے لفظ ''کُنْ'' سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا اور اولاد آدم کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی، اور اس کے سر پر ''وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ '' کا سہرا سجایا۔ اسی کے لیے سارا جہاں بنایا، اور اسے زمین پر اپنا خلیفہ مقرر کیا، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو سب سے بہترین صورت والا بنایا اور انھیں عقل و شعور عطا فرمایا۔ پھر مقصد تخلیق ظاہر فرمایا اور فرمایا: وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ ''ترجمہ: کہ ہم نے جنات اور انسان کو صرف اور صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسان صرف عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

اور عبادت نام ہے اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کی رضامندی حاصل کرنے کا۔ عبادت ایمان کی تکمیل ہے، زندگی کی ضرورت، قوی اور مضبوط بندوں کا حوصلہ، اولیاء اللہ کا زادراہ، متقیوں کا طریقہ، اہل عزوشرف کی قیمت، پختہ ارادہ رکھنے والے کا مقصد، بزرگوں کی پہچان، نیک بختوں کا طریقہ اور جنت کا راستہ ہے۔

عبادت صرف ارکین خمسہ ''شہادتَین (اشہد ان لا الہ إلا اللہ وأشہد أن محمّداً عبدہٗ ورسولہٗ) نماز، روزہ، حج اور زکات ہی کا نام نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ان پر عمل کرنا اور ہر اس چیز سے رُک جانا ہے جن سے منع کیا گیا۔

اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دو قسم پر مشتمل ہے۔ ایک حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد۔

اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کا حق ہم پر سب سے زیادہ ہے کیوں کہ اس نے ہمیں پیدا کیا، ہدایت دی، ایمان دیا، قرآن دیا، ہر بلا و مصیبت سے دور رکھا، مزید برآں اس نے ہمیں "کنتم خیر امّۃ" کے زمرے میں شامل کیا۔

اب حقوق اللہ میں سب سے اہم اور افضل حق ہے عقیدہ جس کے بغیر انسان کا کوئی بھی عمل صالح آخرت میں نجات کا ذریعہ نہیں۔ دوسرا نماز جو اس کے قرب کا ذریعہ ہے۔ تیسرا زکات۔ جو دنیا میں جمع کردہ مال کی پاکی اور ستھرائی کا ذریعہ اور آخرت میں بے شمار انعام کا ضامن ہے۔ چوتھا روزہ۔ جو اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا جوئی کا راستہ ہے۔ اور پانچواں حج ہے۔ جو رضائے الٰہی حاصل کرنے اور تمام گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔ اور اس کے علاوہ بھی خداوند قدوس کے ہم پر بے شمار حقوق ہیں۔

اس کے بعد جو حقوق ہم سے متعلق ہوتے ہیں وہ بندوں کے حقوق ہیں، اور بندوں میں سب سے پہلے والدین کا حق ہے کہ آدمی کی زندگی ہی ان کی رہین منت ہے اور ان کے احسانات اس قدر ہیں کہ وقت پیدائش سے لے کر تادم زیست ہر مرحلے کو محیط ہے بندہ ان کے ادنیٰ احسان کا بھی پوری زندگی حق ادا نہیں کر سکتا۔ پھر اولاد کا حق ہے جو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے لیے ایک بہترین آس ہوتی ہے۔ اس کے بعد زوجَین (میاں بیوی) کا حق ہے، جو نسل انسانی کی بقا کا ذریعہ ہے اور ان میں سے ہر ایک کے لیے طمانیت قلب اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ پھر رشتے داروں کے حقوق ہیں جن کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔ کیوں کہ قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ حقوق العباد میں پڑوسی کے حقوق بھی بہت اہمیت کے حامل ہیں، اور ان کے حق کی ادائیگی بھی بے حد ضروری ہے۔ وہ مسلمان جو مذکورہ اوصاف یعنی والدین، اولاد، زوجین، رشتہ دار اور پڑوسی میں سے نہیں، ہم پر ان کے بھی حقوق ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ"۔

یہ تو حقوق کی بات ہوئی، اب ہماری زندگی کیسی ہو اور ہمیں کس طرح اپنے نفس کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے، ایک انسان کامل ہونے کے ساتھ ساتھ کامیاب زندگی گزارنے کے لیے کس چیز سے بچنا اور کس پر عمل کرنا ضروری ہے، اسے بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

علم کو مقدم کیا گیا اس لیے کہ خشیت الٰہی علم کا ثمرہ ہے ارشاد ربانی ہے ''اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ط'' اور اعمال کا مدار بھی، اس لیے جب انسان مہلکات دین وایمان اور اعمال صالحہ کی آفتوں کا علم نہیں ہوتا ہے تو وہ شیطان کے دام فریب میں آکر سب کچھ برباد کرلیتا ہے۔

علم کے بعد عجز و تکبر کو لایا گیا، اس لیے کہ ساری عبادتوں کی بنیاد اخلاص وعاجزی پر ہی ہے، اگر عمل میں خلوص نہ ہو اور خوشنودی رب کعبہ ملحوظ نہ رہے تو بندہ بے ریا عبادت بجا نہیں لاسکتا، اور وہ عبادت بارگاہ رب العزت میں پیش کیے جانے کے قابل نہیں ہوتی۔ کیوں کہ وہ دلوں کے احوال اور نیتوں کی کیفیات پر مطلع ہے۔ اسی لیے اعمال صالحہ کے لیے عاجزی وانکساری بے حد ضروری ہے، ورنہ عبادتوں پر گھمنڈ اور تکبر سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیتا ہے۔

اس کتاب میں عقائد حقہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد پر بحث کی گئی ہے جو نہایت عام فہم لفظوں اور سلیس جملوں میں سارے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جنہیں ایک مسلمان کے علم میں آنا بے حد ضروری ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ قبولِ خاص وعام فرمائے۔ آمین

بحرمة النبی الکریم علیہ التحیة والتسلیم

عبدالرقیب اشرفی نسیم مصباحی

جمال نگر سہرسہ بہار

متعلم: الجامعة الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

درجہ : فضیلت

Phone no:9453060326.7280844390

Gmail..abdurraqueebmisbahi@gmail.com

علم

علم کا معنیٰ جاننا ہے ۔ انسان جب کسی شَے کو جانتا ہے تو اس کا جاننا اس شَے کا علم ہوتا ہے ، لیکن یہاں پر وہ علم مراد ہے جو تخلیقِ انسانی کے مقصد کی طرف راہنمائی کرے۔ مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکات، حلال و حرام جائز و ناجائز، خدا اور رسول کے بارے میں اور عقائد کے متعلق جاننا، مذکورہ تمام علوم کا حاصل کرنا فرض عین ہے ۔اور ان کے علاوہ کا جاننا فرض کفایہ ہے۔

رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ” طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَةٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ “ (1)

ترجمہ: ہر مسلمان (مرد و عورت) پر علم دین حاصل کرنا فرض ہے۔

مزید اس قول کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث: ” اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَ لَوْکَانَ بِالصِّیْنِ “ سے بھی ہوتی ہے۔ (2) ترجمہ: علم دین حاصل کرو اگرچہ ملک چین میں ہو۔

اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتنا علم حاصل کرنا فرض عین ہے ؟ تو حجۃ الاسلام علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب منہاج العابدین میں فرماتے ہیں: واجبات شرعیہ میں سے جس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جس سے روکا گیا ان باتوں کا جاننا فرض عین ہے۔

اگر انسان اپنی ضروریات کے علم سے جاہل رہتا ہے تو اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں ، حلال و حرام اور جائز و ناجائز میں فرق نہیں کر پاتا، نماز تو پڑھتا ہے لیکن جہالت کی بنا پر اس کی نماز کامل نہیں ہو پاتی ،لوگ روزہ تو رکھتے ہیں لیکن مفسدات کا انھیں علم نہیں ؛ اس لیے جیسے چاہتے ہیں کام کرتے ہیں۔ غرض کہ عمل صالح (نیک عمل) تو کرتے ہیں لیکن صحیح

(1) سنن ابن ماجہ ص ۲۰

(2) کنزالعمال جلد ۱۰ص ۱۳۸/ احیاء العلوم جلد اول: ص: ۵۲

طریقے پرادا نہیں ہو پاتا جس کی وجہ سے لوگوں کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور اسی جہالت کی بنا پر اپنے بچوں کو بہترین تعلیم نہیں دے پاتے جس کے باعث وہ غلط ماحول میں ڈھل کر صرف نام کے مسلمان رہ جاتے ہیں، نہ انھیں نماز و روزہ سے مطلب، نہ ہی ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا طریقہ معلوم، صرف جمعہ کے روز دو رکعت نماز کے لیے مسجد آتے ہیں اور امام کے سلام پھیرتے ہی اس طرح رفو چکر ہو جاتے ہیں جیسے شیر نے بکریوں کے ریوڑ پر حملہ کر دیا ہو۔

وہ اپنی جہالت کی وجہ سے پڑوسی کو تکلیف دیتے اور ماں باپ کے ساتھ بد سلوکی کرتے ہیں،، خدا کی نافرمانی اور مخلوق خدا کو تکلیف دے کر دنیا کو آراستہ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے جس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اور اہل علم اپنے علم کی روشنی میں زندگی گزارتے ہیں، نہ انھیں اعمال صالحہ کی ادائیگی میں دشواری، نہ دنیا کی مصیبتوں اور آفتوں کا ڈر؛ اسی لیے یہ علم کی شان اور اہل علم کی عزت و وقار کا باعث ہے۔

علم کی فضیلت:۔ اہل علم کے لیے بہت ہی خوشی کی بات ہے کہ علم کے حصول اور بلندی درجات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ“ (1) تم میں جو ایمان لائے اور جنہوں نے علم حاصل کیا، اللہ ان کے درجات بلند فرمائے گا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں علمائے کرام عام مومنین سے سات سو درجے بلند ہوں گے اور ہر دو درجے کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہوگی۔(2)

علما سے مراد آج کے صاحب جبہ و دستار علما نہیں جو صرف عمامہ اور ڈگری تک ہی محدود ہیں، بلکہ اس سے مراد وہ علما ہیں جو کتاب و سنت کے عامل ہیں، اور جن کا ہر کام رضائے

---

(1) پ۲۸ سورہ مجادلہ

(2) احیاء العلوم جلد اول ص:۳۹

الٰہی کے لیے ہوتا ہے۔

جاہل عابد جو رات بھر عبادت میں لگا رہتا ہے ،اس سے لاکھ گنا بہتر وہ عالم ہے جو صرف فرض کی ادائیگی خلوص وللّٰہیت سے کرتا ہے۔

عالم کی فضیلت : ۔عالم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: ''فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی أَدْنَاکُمْ'' (1) ترجمہ: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہی ہے جیسے کہ میری فضیلت تم میں ادنیٰ مرد پر۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ تمام فضیلتوں اور کمالات کا دار و مدار علم پر ہی ہے اسی لیے تو کسی شاعر نے علم کی بلندی کو یوں بیان کیا۔

ع——

لَیْسَ الْجَمَالُ بِأَثْوَابٍ تُزَیِّنُنَا　　إِنَّ الْجَمَالَ جَمَالُ الْعِلْمِ وَالْأَدَبِ

لَیْسَ الْیَتِیْمُ الَّذِیْ قَدْ مَاتَ وَالِدُہٗ　　إِنَّ الْیَتِیْمَ یَتِیْمُ الْعِلْمِ وَالْأَدَبِ (2)

ترجمہ: خوبصورتی ان کپڑوں سے نہیں ہے جو تمھیں زیب وزینت بخشے، بیشک اصل خوبصورتی تو علم و ادب کی خوبصورتی ہے، حقیقت میں یتیم وہ نہیں ہے جس کا باپ فوت ہوگیا، بیشک حقیقی یتیم تو وہ ہے جس کے پاس علم وادب نہ ہو۔

جس کا باپ فوت ہوگیا وہ تو فقط چند دنوں کا یتیم ہوتا ہے پھر اس کے بعد وہ خود کفیل بن جاتا ہے لیکن جو شخص جاہل اور بے ادب ہو وہ ہمیشہ یتیم ہی رہتا ہے۔کیوں کہ اسے زندگی کا اصل مقصد ہی حاصل نہیں جس پر اس کے کمالات کا مدار ہے،اس لیے اپنے بچے کو کم از کم اتنا علم سکھانا چاہیے کہ وہ انسان بن کر معاشرے میں اچھی زندگی گزار سکے ۔ زندگی تو جانور اور چوپائے وغیرہ بھی گذارتے ہیں، لیکن ایسی زندگی سے کیا فائدہ؟ جو جانوروں کی طرح گذرے۔

اہل علم کی قدر صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ دنیا میں بھی بے انتہا ہوا کرتی ہے۔ علما

(1) جامع ترمذی جلد ثانی: ص:۹۳

(2) مجانی الادب: ص:۲۱ مکتبہ نعیمیہ

کے حضورایک زمانہ سرتسلیم خم کرتا ہے؛اس لیے کہ زندگی میں علم کا بہت بڑا دخل ہے۔

آج ہمارے معاشرے میں جاہل ہونا بھی ایک فیشن ہو چکا ہے، مثلاً:کسی عام آدمی سے کوئی مسئلہ پوچھیں تو بلا خوف وخطر کہ دیتے ہیں کہ ہم تو جاہل ہیں مولوی صاحب! ہمیں آپ کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ لعنت ہو ایسے لوگوں پر جو فخر سے خود کو جاہل کہتے ہیں۔ان سے پوچھا جائے کہ آخر کس چیز نے انھیں جاہل رہنے پر مجبور کیا؟

آج لوگ اچھی بات سننے سے بھی بھاگتے ہیں اور بجائے شرمندہ ہونے کے، بعد میں یہ کہ کر ہنستے ہیں، ہم نے مولوی صاحب کو ایسا جواب دیا کہ وہ چپ رہ گئے: یعنی ہم نے مولوی صاحب کو بے وقوف بنا دیا، اور ایسے لوگ اس طرح کی حماقتیں کرکے خود کو ہوشیار سمجھ کر اپنے گمان میں بچ جا رہے ہیں لیکن حشر میں وہ کیا جواب دیں گے؟ جب ان سے پوچھ تاچھ ہوگی۔

ہمارے معاشرے میں سب کچھ دولت ہی کو سمجھا جاتا ہے، اس لیے آج لوگ اپنے بچوں کو وہ علم سکھا رہے ہیں جس میں پیسہ زیادہ ہو: یعنی، ڈاکٹر، انجنیئر، پروفیسر وغیرہ بنانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، اس پر لاکھوں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں لیکن تھوڑا روپیہ خرچ کر کے مذہبی تعلیم بالکل نہیں دیتے جس کی وجہ سے وہ دین اسلام سے دور ہوتا نظر آتا ہے، ایسا علم جو تخلیق انسانی کے مقصد کی طرف رہ نمائی نہ کرے اس کا اخروی زندگی میں کوئی رتبہ نہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے ایسے علم کے بارے میں فرمایا: ”نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ عِلْمٍ لَايَنْفَعُ“ (1) ترجمہ: ہم ایسے علم سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔فائدہ سے مراد اخروی فائدہ ہے نہ کہ دنیوی فائدہ۔

یہ سوال بڑے زور وشور سے ہو رہا ہے کہ مولانا حضرات دوسروں کو علم دین حاصل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور اس کے فوائد بھی کافی بیان کرتے ہیں؛ لیکن خود اپنے بچوں کو اسکولوں اور کالجوں میں پڑھاتے ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ اسکول میں پڑھانا، ڈاکٹر بنانا فی نفسہٖ

(1) سنن ابن ماجہ ص ۲۲

کوئی غلط کام نہیں ؛بلکہ علم دین سے جاہل رکھنا ناجائز و برا فعل ہے،ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے بچے کو ڈاکٹر، سائنس داں یا انجینئر نہ بنائیں یا کیوں بنا رہے ہیں ؟آپ اپنے بچوں کو بے شک دنیا کی ہر ایک تعلیم دیجیۓ اس میں کوئی برائی نہیں جائز و حلال طریقے سے بے شمار دولت کمائیے ہمیں تکلیف نہیں ؛لیکن اپنے بچے کو ان سب علوم وفنون سے پہلے دینی تعلیم دیں تاکہ آپ کا بچہ اسلام جیسے عظیم مذہب سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے۔ آج اکثر ڈاکٹر، انجینئر اور دنیاداروں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اذان سنتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے ،ان پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے لیکن دینے میں بخیلی کرتے ہیں، یہ سب آخرت پر یقین نہ ہونے کا ثبوت ہے،اور آخرت پر یقین نہ ہونا علم دین سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہے۔

آدمی کو دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم سے بھی اتنا واقف ہونا چاہیے کہ اس کو جاہل نہ کہا جا سکے: یعنی اپنی ضروریات کے تمام مسائل خود حل کر لے،ضروریات دین کے حصول میں کسی کا محتاج نہ ہو، انجینئر ہونے کے باوجود کوئی آپ کے بچے کو جاہل نہ کہے :(انجینئر ہو؛لیکن ساتھ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کا طریقہ بھی معلوم ہو) آپ پر کوئی لعن وطعن نہ کرے کہ تعلیم تو دیا لیکن بے ادب ہے اور دینی معاملے میں جاہل ہے۔

آج کل کسی نے کسی کے والدین کو گالی دی یا سرعام ذلیل کیا، یا خود اس کی عزت اچھالی تبھی بے عزتی اور توہین سمجھی جاتی ہے؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ دل کی گہرائی سے سوچا جائے تو اصل میں سب سے بڑی گالی لفظ "بے ادب اور جاہل،، ہے جسے دنیا کا کوئی فرد پسند نہیں کرتا۔

انسان کی جھوٹی تعریف کرنا، بے علم کو علم والا کہنا اور ظالم کو رحم دل بتانا ہمارا شیوہ بن چکا ہے اور یہ سب صرف اور صرف جہالت کی بنا پر ہے۔ انسان چاہے قارون کا خزانہ جمع کر لے لیکن وہ زندگی اور عزت جو ایک عالم کو حاصل ہے کسی جاہل کے نصیب میں نہیں۔ اس لیے جہاں تک ہوسکے اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کریں تاکہ بڑھاپے میں آپ کا وہ سہارا بن سکیں، آپ کی خدمت کو اہم جانیں، پڑوسی اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کریں۔

اہم بات:۔ آج کل طرح طرح کی شکایتیں عام ہو چکی ہیں کہ فلاں شخص باپ کو مارتا ہے، رشتہ داروں کو گالی دیتا ہے، پڑوسیوں سے بد سلوکی اور ہمیشہ لوگوں کو تکلیف دیتا رہتا ہے، جس کی بنا پر اس سے والدین اور دیگر سبھی لوگ پریشان رہتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے لیے بد دعا بھی کر دیتے ہیں۔ان سب کی جڑ جہالت اور لالچ ہے کہ والدین دینی علم کو چھوڑ کر دنیاوی علوم پر اکتفا کرتے ہیں؛ جس کے باعث بچہ اخلاقیات کے سب سے نچلے درجے میں رہ جاتا ہے؛ جس کا وبال پلٹ کر انھیں پر آتا ہے۔

ہر انسان کو چاہیے کہ اپنے بچے کو حتی الامکان ہر طرح کی تعلیم دے تاکہ کہیں بھی وہ رسوا نہ ہو، اور کامل علم بھی یہی ہے کہ زمانہ کے تمام علوم سے واقفیت حاصل ہو، تاکہ اپنی بات ہر ایک تک پہنچا سکے۔ لیکن سب پر علم دین کو مقدم کرے جو کہ ضروریات دین میں سے ہے۔

ایک حقیقت:۔ غیر قوم کے لوگ بھی اپنے بچوں کو انجینئر، ڈاکٹر وغیرہ بناتے ہیں؛ لیکن سب سے پہلے انھیں اپنے مذہب کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے بچے جو کسی بھی اسکول یا کالج میں ہوں مگر اکثر مذہبی تعلیم یافتہ ہوتے ہیں؛ لیکن مسلمانوں کے ایسے بچے (اسکول کالج والے) ۹۰ر فیصد سے زیادہ علم دین سے ناواقف رہتے ہیں؛ یہاں تک کہ قرآن شریف پڑھنا بھی نہیں جانتے ہیں۔ دور حاضر میں مسلمانوں کے ذہن میں ایک غلط بات بس گئی ہے، اور وہ یہ کہ صرف قرآن شریف پڑھا دینا اور کچھ اردو کتابیں سکھا دینا ہی دین کے لیے کافی سمجھتے ہیں اور اس کی آخری منزل یہیں تک رہتی ہے۔ اتنا ہی پڑھا دینا کافی نہیں؛ بلکہ ہر انسان پر شب و روز کے مسائل یعنی نماز، روزہ اور حسن اخلاق، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو جاننا فرض عین ہے تاکہ والدین رشتہ دار اور پڑوسی سے حسن سلوک کرے، اور کہیں بھی نماز پڑھانا ہو یا فاتحہ درود وغیرہ کرنا ہو تو جھجھک محسوس نہ کرے۔

لیکن آج اس کے برعکس نظر آتا ہے کہ لڑکے بیس برس کے ہو جاتے ہیں؛ لیکن نماز پڑھتے وقت دوسروں کو دیکھ کر نماز ادا کرتے ہیں، رکوع میں جاتے وقت دوسروں کو دیکھتے ہیں کہ

کیسے رکوع کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انھیں دینی معاملوں میں ذرہ برابر بھی علم نہیں افسوس کی بات یہ ہے! ایسے ہی لوگ قوم کے رہبر بنائے جاتے ہیں، اب ان سے قوم کے سدھرنے کی امید رکھی جائے یا بگڑنے کی، آپ خود ہی فیصلہ کریں۔

اس لیے ضروری ہے کہ اپنے بچے کو اچھی تعلیم دیں؛ کیوں کہ علم کے ذریعہ ہی انسان پہچانا جاتا ہے۔ نسل سے انسان کی شناخت (پہچان) صرف ایک یا دو پشت تک ہوتی ہے؛ لیکن علم انسان کو قیامت تک کے لیے زندہ کر دیتا ہے۔

اس کے برخلاف جاہل کی شناخت (پہچان) زیادہ سے زیادہ بیٹے پوتے تک رہتی ہے۔ یقین ہے کہ اگر آج کے نوجوان سے ان کے پردادا کے نام اور حالات پوچھے جائیں تو وہ نہیں بتا پائیں گے، ایسی نسل سے کیا فائدہ جو دس بیس سال تک بھی یاد نہ رکھ سکے، لہٰذا دور حاضر میں ہر عظیم شَے کا ماخذ علم ہے؛ چاہے دینی ہو یا دنیوی ہو، لیکن دینی علم کا مرتبہ ہمیشہ سب سے بلند رہا ہے اور ان شاء اللہ العزیز تا قیام قیامت بلند رہے گا۔

خدا کے نزدیک مقبول ترین علم "علم دین،، ہی ہے جو ہر انسان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتا ہے۔

لقمان حکیم سے علم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اَلْعِلْمُ نُوْرٌ وَ الْجِھْلُ ظُلْمَۃٌ'' ترجمہ: علم روشنی ہے اور جہل تاریکی ہے۔

☆ ☆ ☆

عجز و تکبر

عجز و تکبر: یہ دو ایسے الفاظ ہیں جو انسان کے اندر بیک وقت نہیں پائے جاتے۔

عجز انسان کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں اس شخص کی نماز قبول فرماتا ہوں جو میری عظمت کے سامنے انکساری کرتا ہے۔(1)

عجز انسان کا اندرونی زیور ہے۔ اس زیور سے جو بھی خود کو آراستہ کرتا ہے وہ خدائے ذوالجلال کے مقرب اور برگزیدہ بندوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہی ایک ایسا زیور ہے جو انسان کی پہچان ہے۔ کوئی آدمی تکبر کے ساتھ قرب خدا حاصل نہیں کر سکتا، کیوں کہ کبریائی صرف اور صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کے لیے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اس کا سزاوار نہیں؛ کیوں کہ تکبر اسی کو زیب دیتا ہے جو پورے جہان میں سب سے بڑا ہو، بے مثل و بے مثال ہو، جس کا کوئی شریک و ہمسر نہ ہو، جو ہر لمحہ نئی آن اور نئی شان میں ہو، ازل سے جیسا ہے ابد تک ویسا ہی رہے، اسے غشی (اونگھ) آئے نہ ہی نیند، ہر وقت باخبر ہو، ہر شَے کو دیکھنے اور جاننے والا ہو، غرض کہ تمام صفات کمالیہ جس کی ذات میں موجود ہوں، وہ ذات صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر کی ہے، انسان تو ان تمام صفتوں سے خالی و کورا ہے۔

لیکن جب اس کو تھوڑا مال اور معمولی عزت مل جاتی ہے تو وہ خود کو زمانے میں سب سے بڑا سمجھنے لگتا ہے، خیر یہ بات تو معمولی عزت اور مال والے کی ہے، لیکن کچھ ایسے ریاکار عبادت گزار ہیں جو ٹھیک سے پانچ وقت کی نماز تک نہیں پڑھتے لیکن خود کو بڑا عابد سمجھتے ہیں اور دوسروں کو بے عملی کا طعنہ دیتے ہیں، علم کی "ع،، سے واقف نہیں لیکن علامہ کہلانے پر

(1) مکاشفۃ القلوب ص ۴۴۲

فخر محسوس کرتے ہیں، اور ڈگری کو کامیابی کی سند سمجھ کر زمانے میں جہالت کی تاریکی پھیلانے میں مصروف رہتے ہیں، ایسے لوگ لاکھ علم حاصل کرلیں، شب وروز عبادات کے لیے وقف کردیں اور صدقات وخیرات کی ندیاں بہادیں؛ لیکن کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اس لیے کہ ان کا یہ عمل تکبر سے خالی نہیں؛ جو سیدھا خدا کو چیلنج کرتا ہے۔ برائے نام ایسے لوگ علم اور عبادات کے پیڑ تو لگالیتے ہیں مگر اس کا بیج تکبر جیسا قبیح ہوتا ہے، صدقہ تو کرتے ہیں: لیکن خیال یہ رہتا ہے کہ ہم ہی رزاق ہیں۔ ایسے لوگوں کو کبھی کامیابی نصیب نہ ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ثَلٰثَةٌ، لَا یُکَلِّمُهُمُ اللہُ، وَلَا یَنْظُرُ إِلَیْهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِیْمٌ، شَیْخٌ زَانٍ وَ مَلِکٌ کَذَّابٌ وَعَائِلٌ مُسْتَکْبِرٌ“ (1) ترجمہ: تین شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، جن کی تفصیل درج ذیل: (۱) بوڑھا زانی (۲) ظالم بادشاہ (۳) اور سرکش متکبر۔

سرکش متکبر وہی ہے جس کا شعار تکبر اور بڑکپن رہتا ہے، لوگوں کو تابع کرنا اور انھیں حقیر جاننا اس کی خو (عادت) میں شامل ہوتا ہے، وہ لوگ جو ہمیشہ خود کو سب سے اعلیٰ (بڑا) اور اونچا گمان کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے بارے میں حدیث قدسی ہے، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ”أَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَةُ إِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ وَاحِداً مِنْهُمَا أَدْخَلْتُهُ النَّارَ“ (2) ترجمہ: تکبر میری چادر ہے اور بڑائی میرا تہبند ہے؛ جو شخص ان دو میں سے کسی ایک کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرے گا، میں اس کو جہنم میں ڈال دوں گا۔

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص ۴۳۳ باب الغضب والکبر

(2) مشکاۃ المصابیح ص ۴۳۳ باب الغضب والکبر

اس حدیث میں صاف طور سے مغروراور تکبر پسند لوگوں کے لیے غضب کا اظہار فرمایا گیا، کہ تکبر اور بڑائی صرف خدا ہی کے لیے ہے۔ جو بھی تکبر کرتا ہے اور خود کو بڑا سمجھتا ہے گویا وہ خدا سے جھگڑا کرتا ہے، مالک حقیقی سے جھگڑنے کا انجام اس نے خود بتا دیا کہ ”أَدْخَلْتُهُ النَّارَ“ (میں اسے دوزخ کا ایندھن بنادوں گا) اس لیے جو بھی کام کیا جائے وہ خلوص وللّٰہیت سے ہو، اس میں ذرہ برابر بھی کبر وخودی کا شائبہ نہ ہو۔

حدیث پاک میں ہے، حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: انسان کے گنہگار ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جب اسے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا جائے تو وہ یہ کہے کہ ”تم اپنا خیال رکھو“ (1) اس لیے کہ یہ بھی تکبر والا لفظ ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے: کوئی آدمی ایسا نہیں مگر اس کے ساتھ دو فرشتے ہیں اور انسان پر فہم وفراست (سمجھداری) کا نور ہوتا ہے؛ جس سے وہ فرشتے اس کے ساتھ رہتے ہیں پس اگر وہ انسان تکبر کرتا ہے تو وہ اس سے حکمت چھین لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تو اسے سرنگوں (ذلیل) کر، اور اگر وہ تواضع و انکساری کرتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ اسے سربلندی عطا کر۔(2)

شَے اپنی اصل شکل وصورت ہی میں اچھی لگتی ہے، جب وہ اپنی اصل سے تجاوز کر کے دوسرا راستہ اپنانے کی کوشش کرتی ہے تو اس کی بدقسمتی اس کو اس سے بد تر جگہ پہنچا دیتی ہے، لاکھ کوشش کے باوجود اپنی فطرت سے جدا نہیں ہو سکتی۔ جیسے: مٹی کو فضا میں اچھالنے سے وہ فضا میں بلند ہوتی نہیں چلی جاتی، بلکہ اپنی جگہ میں دوبارہ آ ہی جاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح انسان اگر تکبر کرے تو وہ بڑا نہیں بن سکتا اس کو اپنے جامے میں آنا ہی پڑے گا۔

جو بھی انسان اپنے مقام ومرتبہ سے نکل کر بڑائی کو چھونے کی کوشش کرے گا تو اس

---

(1) مکاشفۃ القلوب: ص: ۴۳۶

(2) مکاشفۃ القلوب: ص: ۴۳۶

کے لیے خداعزوجل نے ایک ایسا گہرا گڑھا مقدر فرمادیا ہے، یعنی: جہنم میں اسے اوندھے منہ گرادیا جائے گا جس میں وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں مبتلا رہے گا، اس لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی حدود میں رہ کر خدا کا شکر ادا کرے، اور اپنی اصل میں غور وفکر کرے کہ ہم جس سے پیدا کیے گئے ہیں اس کی اصل نیچے رہنا ہے نہ کہ اوپر۔ لہٰذا عاجزی کے ساتھ زندگی بسر کرکے آخرت کی دائمی زندگی کو بہتر بنائیں ! ان شاء اللہ خدائے تعالیٰ اسے اپنے فضل وکرم سے اجر عظیم اور بے کراں بلندیوں سے نوازے گا۔

عجز کرنے والا انسان اللہ کا سب سے محبوب بندہ ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اس کا دل و دماغ خدا کی رحمت سے لبریز ہوتا ہے اور متکبر کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: ”کہ اس کے لیے خوش خبری ہے جس نے توانگری (مالداری) میں تواضع کی، جمع کردہ مال کو اچھے طریقے پر خرچ کیا، تنگ دست اور مفلسوں پر مہربانی کی اور علما و دانشمندوں سے میل جول رکھا“۔ (1)

جو شخص عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ اسے اپنا محبوب بنالیتا ہے؛ یعنی: اس کو قرب خاص میں جگہ مل جاتی ہے، نیز اہم العبادات یعنی نماز کی قبولیت عاجزی ہی پر موقوف ہے۔ کیوں کہ جو بندہ تکبر کرتا ہے اللہ اس کی نمازوں کو قبول نہیں فرماتا جیسا کہ پہلے حضرت موسی علیہ السلام کا واقعہ گزر چکا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”چار چیزیں ایسی ہیں جو اللہ اپنے محبوب بندوں کے سوا کسی کو عطا نہیں کرتا: (۱) خاموشی اور یہ پہلی عبادت ہے (۲) توکل (۳) تواضع (۴) دنیا سے کنارہ کشی۔ (2)

عاجزی اس حد تک ہو کہ اگر کوئی شخص مرض میں مبتلا ہو تو وہ اس سے مرض کی وجہ

---

(1) مکاشفۃ القلوب ص ۴۴۱

(2) مکاشفۃ القلوب ص ۴۴۱

سے دوری اختیار نہ کرے۔ کوئی ظالم یا گنہگار آپ کے قریب آنا چاہے یا آپ کی ذات سے فائدہ حاصل کرنا چاہے تو حاصل کر سکے۔ آپ ان سے ان کے گناہ اور ظلم کی وجہ سے نفرت نہ کریں، ہو سکتا ہے کہ وہ (مریض ،ظالم یا گنہگار) توبہ اور رجوع الی اللہ کے ارادے سے آیا ہو یا دعا کی درخواست لایا ہو، مگر آپ کی نفرت اور دوری کی وجہ سے وہ اپنی نیک خواہش سے نا امید ہو جائے۔ اس روش سے آپ کے اعمال کے برباد ہونے کا بھی خوف ہے، اس لیے کہ آپ کی وجہ سے وہ سیدھے راستہ ہی سے دور رہا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کے اعمال اس کے نام ہو جائیں، جیسا کہ مندرجہ ذیل حکایت میں ایک عابد کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا۔

حکایت :۔ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا؛ جسے کثرت گناہ اور فتنہ و فساد کی وجہ سے بنی اسرائیل کا خلیع (عاجز کرنے والا) کہا جاتا تھا، ایک مرتبہ اس کا ایسے انسان کے پاس سے گزر ہوا جسے بنی اسرائیل کا عابد کہا جاتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ عابد کے سر پر بادل کا ٹکڑا سایہ کیے ہوئے تھا، جب اس نے اس عابد کو دیکھا تو اس کے دل میں خیال آیا کہ میں اس قوم کا سب سے بڑا بد بخت آدمی ہوں اور یہ (جس پر بادل سایہ کیے ہوئے ہے) سب سے بڑا عابد ہے۔ اگر میں اس کے پاس بیٹھ جاؤں تو شاید اللہ تعالیٰ مجھ پر بھی رحم کر دے۔ چنانچہ وہ عابد کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ عابد کے دل میں خیال آیا کہ میں بنی اسرائیل کا عابد ہوں اور یہ بد بخت، یہ میرے ساتھ کیسے بیٹھے گا؟ اسے بہت شرم محسوس ہوئی اور اس سے کہا: یہاں سے اٹھ جاؤ: اسی وقت اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس زمانہ کے نبی پر وحی فرمائی کہ ان دونوں کو نئے سرے (طریقے) سے عبادت شروع کرنے کا حکم دیجیے، کیوں کہ میں نے بد بخت کو بخش دیا ہے اور عابد کے اعمال کو برباد کر دیا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ بادل عابد کے سر سے ہٹ کر بد بخت کے سر پر چلا گیا۔(1) اس کے بعد عابد، عابد نہ رہا اور بد بخت خوش نصیب بن گیا۔

---

(1) مکاشفۃ القلوب ص ۴۳۹

اس لیے انسان کی سوچ ہمیشہ یہ رہے کہ خدا دل کی باتوں کو جانتا ہے، کب کس کی ادا اسے پسند آجائے کسی کو اس کا علم نہیں۔ لہٰذا خود کو چھوٹا اور عاجز سمجھ کر بڑوں کی اتباع کرے اور خلق خدا کے حق میں ہمیشہ اچھا خیال رکھے! تکبر انسان کو اس طرح ہلاک کر دیتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔

حقوق کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان وجنات کے مقصد تخلیق کو اس ارشاد میں بیان فرمایا:
”وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۝٥٦“ (1) ترجمہ: ہم نے جنات وانسان کو صرف اور صرف اپنی عبادت اور بندگی کے لیے پیدا فرمایا۔ تو لوگوں پر لازم ہے کہ وہ ہر لمحہ عبادت الٰہی میں مشغول رہیں، مگر ساتھ ہی ساتھ خالق عزوجل نے انسان میں بھوک اور شہوت بھی رکھی جس کی وجہ سے نسل انسانی کی بقا ہے۔ چنانچہ اپنے اور اہل وعیال کے رزق کی تلاش میں آدمی کسب کا محتاج ہوا، آرام کی خاطر نیند ضروری ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ تو ارشاد الٰہی کے مطابق ہر لمحہ عبادت کرنا ناممکن ٹھہرا، تو ہمارے نبی پاک ﷺ کی تعلیمات نے یہ بتایا کہ صرف نماز، روزہ، تلاوت اور ذکرواذکار ہی عبادت نہیں، بلکہ شریعت کے مطابق لین دین، خریدوفروخت، نکاح وطلاق، حسن سلوک اور عدل و انصاف بھی عبادت ہے۔ حتی کہ سنت نبوی کے مطابق سونا، جاگنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا سب کچھ عبادت ہے، کیوں کہ ان ساری باتوں اور معاملات میں ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اگر پیروی اور اطاعت کریں تو یہ عبادات بن جایا کرتی ہیں، کہ در حقیقت عبادت اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ کی اطاعت اور فرماں برداری ہی کا نام ہے۔

یہیں سے معلوم ہوا کہ عبادتوں میں بعض نماز، روزہ، حج وزکات وغیرہ اور بعض معاملات پر مشتمل ہیں جیسے نکاح، طلاق، خریدوفروخت اور سیاسی امور وغیرہ۔

چنانچہ علما فرماتے ہیں کہ عبادتوں کی دو قسمیں ہیں (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد

(1) پ ۲۷ سورہ: ذاریات

حقوق اللہ

حقوق اللہ:۔توحیدوایمان ،عقائدضروریہ کے اثبات واذعان اوراعمال یعنی: نماز،روزہ،حج اور زکات کانام ہے۔

عقائد کا بیان

مذہب اسلام سے تعلق رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنا عقیدہ درست کریں۔اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ وہ ایک ہے،پاک اور بے عیب ہے،ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا،اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی اس کے برابر ہے، تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں،وہ تمام صفات کمالیہ کے ساتھ موجود ہے۔ان تمام چیزوں سے پاک وصاف ہے جو ایک انسان اورجسم کے لیے ضروری ہیں ۔ یعنی مکان وجہت،کھانا،پینا،سوناوغیرہ،یہاں تک کہ اونگھ بھی اسے لاحق نہیں ہوتی۔وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔اس کا کوئی باپ ہے،نہ بیوی اور نہ اولاد نہ رشتہ دار۔وہ ہر شے کا دیکھنے والا،سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اپنے بندوں پر والدین سے زیادہ مہربان اور رحم کرنے والا،گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے،رزق دینااور حیات وموت دینا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے،عزت دینااور ذلیل کرنا اسی کے اختیار میں ہے،ہدایت وگمراہی اسی کی طرف سے ہے۔ عبادت کے لائق صرف وہی ہے،اس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں،اس کی ذات وصفات قدیم ہیں،کبھی ختم نہیں ہوں گی،اس کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے،ہر ممکن چیز اس کی قدرت کے تحت ہے،

محال اور نقائص کو اس کی قدرت سے کوئی تعلق نہیں ، اس پر کسی کام کا کرنا واجب نہیں مثلاً: نیکو کار کو ثواب دینا اس پر واجب نہیں، اور اسی طرح گناہ گار کو عذاب دینا بھی اس کے لیے ضروری نہیں ،وہ ہر شَے کا مالک ہے ،ساری چیزیں اسی کی ملک ہیں لہٰذا اس پر کسی کام کا کرنا ضروری نہیں، اس پر کسی کا حکم نہیں، اور اس کا حکم سب پر نافذ ہو گا۔

اللہ پاک کے لیے جھوٹ بولنا محال ہے، بلکہ اس کا امکان بھی محال ہے۔

وہ بالذات (یعنی خود کسی کے بتائے بغیر) غیب کا جاننے والا ہے، اس سے ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں، زمین کی تہ میں اگر کوئی چیونٹی رینگتی ہے تو وہ اس کو بھی دیکھتا اور اس کے رینگنے کی آواز کو بھی سنتا ہے، بڑی سے لے کر چھوٹی چھوٹی مخلوق کو رزق دیتا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ ساری کائنات اور اس میں موجود ہر شَے ختم ہو جائے گی صرف باقی رہنے والی ذات اسی کی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ ہو کہ آپ ﷺ معصوم ہیں، اور یہ عصمت صرف انبیا اور فرشتوں کے ساتھ خاص ہے۔ (عصمت کا مطلب یہ ہے کہ ان سے گناہ کا صدور محال ہے) انبیا علیہم السلام شرک و کفر اور ہر ایسی چیز سے پاک ہیں جو خلق (انسان) کے لیے باعث نفرت ہو، جیسے جھوٹ، خیانت و جہالت اور بری صفت نیز تمام چھوٹے بڑے گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام پر بندوں کے لیے جتنے احکام نازل فرمائے انھوں نے وہ سب پہنچا دیا۔ جو یہ کہے کہ کسی حکم کو کسی نبی نے چھپا رکھا یا تقیہ کیا یعنی خوف کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے نہیں پہنچایا تو ایسا شخص کافر ہے۔

اللہ عزوجل نے انبیا علیہم السلام کو اپنے فضل سے غیب کی باتوں کا علم عطا کیا۔ زمین و آسمان کا ہر ذرہ نبی کے پیش نظر ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہے، لہٰذا ان کا علم عطائی ہوا (یعنی اللہ کے عطا کرنے سے ہے) اور علم عطائی اللہ عزوجل کے لیے محال ہے، کہ اس کی کوئی صفت کوئی کمال کسی کا دیا ہوا نہیں بلکہ ذاتی ہے۔

انبیاے کرام تمام مخلوق یہاں تک کہ فرشتوں سے افضل ہیں۔

نبی کی تعظیم فرض عین بلکہ تمام فرائض کی اصل ہے، کسی نبی کی ادنیٰ توہین یا تکذیب (جھٹلانا) بھی کفر ہے ۔انبیا کی کوئی تعداد متعیّن کرنا جائز نہیں ۔کیوں کہ خبروں اور روایتوں میں مختلف تعداد بیان کی گئی ہے لہٰذا کسی غیر معین تعداد پر ایمان رکھنے میں غیر نبی کو نبی ماننے، یا نبی کی نبوت کے انکار کا خطرہ ہے۔ اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ لہٰذا یہ اعتقاد ہونا چاہیے کہ اللہ (عزوجل) کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔

تمام انبیا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عظمت ووجاہت اور عزت والے ہیں ۔ انبیا علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں اسی طرح حقیقی زندہ ہیں جیسے دنیا میں تھے۔کھاتے، پیتے ہیں، جہاں چاہے جاتے آتے ہیں، اللہ پاک کا وعدہ پورا ہونے کے واسطے ایک لمحہ کے لیے ان پر موت طاری ہوئی، پھر بدستور زندہ ہوگئے۔ان کی حیات، حیات شہدا سے ارفع واعلیٰ ہے۔

دیگر انبیاے کرام کی بعثت خاص کسی قوم کی طرف ہوئی مگر حضور اقدس ﷺ ساری کائنات، تمام مخلوق، انسان، جنات، بلکہ ملائکہ، حیوانات و جمادات سب کی طرف مبعوث ہوئے۔

حضور اقدس ﷺ ملائکہ، انسان وجنات ، حوروغلماں ، حیوانات وجمادات ، غرض تمام عالم کے لیے رحمت ہیں، اور مسلمانوں پر تو نہایت مہربان۔

آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، یعنی اللہ عزوجل نے سلسلۂ نبوت آپ ﷺ پر ختم کردیا کہ آپ ﷺ کے زمانہ میں یا بعد کوئی نیا نبی نہیں ہوسکتا۔

آپ ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق سے افضل واعلی بنایا، محال ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی مثل ہو۔

ہر قسم کی شفاعت آپ ﷺ کے لیے ثابت ہے، یعنی قیامت کے دن آپ ﷺ کو شفاعت کا منصب عظیم دیا جائے گا، آپ ﷺ مومنوں میں سے جس کی چاہیں شفاعت کریں

گے یہ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے، اور اللہ جل وعلا آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرمائے گا۔

حضور ﷺ کی محبت مدار ایمان ہے بلکہ ایمان اسی محبت کا نام ہے، جب تک حضور ﷺ کی محبت ماں، باپ، اولاد اور تمام جہان سے زیادہ نہ ہو آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر جس طرح اس وقت تھی جب آپ ﷺ اس عالم ظاہری میں نگاہوں کے سامنے تشریف فرما تھے، اب بھی اسی طرح فرض اعظم ہے۔

حضور ﷺ اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں، تمام جہاں حضور ﷺ کے تحت تصرف کر دیا گیا جو چاہیں کریں، جو چاہیں دیں، جس سے جو چاہیں واپس لے لیں۔ سب سے پہلے مرتبۂ نبوت حضور ﷺ کو ملا، روز میثاق تمام انبیا علیہم السلام سے حضور ﷺ پر ایمان لانے اور حضور ﷺ کی نصرت کرنے کا عہد لیا گیا۔

اولیا کی شان میں گستاخی کرنے سے اور کرنے والے دونوں سے دور رہیں، کیوں کہ دونوں ایمان کے منافی ہیں۔

عقیدہ کی پختگی کے بعد بندہ مومن پر حقوق کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾" (1)

ترجمہ: چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

اللہ کے حقوق بندوں پر دو طرح کے ہیں: ایک اس کے احکامات پر عمل کرنا جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ دوسرا جس سے اس نے روکا جیسے شراب پینا جوا کھیلنا، سود کھانا وغیرہ، ان سے حتی الامکان بچنا۔ اس کی خلاف ورزی کرنے پر گریہ وزاری اور صدق دل سے توبہ کرنے پر خدا معاف کر دے گا۔

☆ ☆ ☆

---

(1) ۱۶/ سورہ کہف

نماز کا بیان

حقوق اللہ میں سب سے اہم حق نماز ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جس کو جماعت کے ساتھ یا الگ الگ، تنہائی میں، تاریکی یا اجالا ہر ایک صورت میں ادا کیا جا سکتا ہے اور یہی خدا کے ملنے اور قرب خاص حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

فضیلت نماز :۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں بندہ اور خدا کے مابین کوئی دوسرا حائل نہیں ہوتا اسی لیے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُوْمِنِیْنَ'' نماز مومنوں کی معراج ہے۔

نیز آگے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: '' میں نے نماز کو اپنے اور بندوں کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اس کا نصف میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے اور بندے کے لیے وہ سب کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے یعنی جب بندہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میرے بندے نے میری حمد و ثنا کی ہے"۔(1)

مطلب یہ ہے کہ جب بندے نے مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کیا تو اس نے اپنا حصہ ادا کر دیا اور خدا اس کا مکمل اجر دے کر اپنا حصہ کامل فرمائے گا۔

بندہ اور خدا کے درمیان کوئی حائل نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ بندہ جیسے ہی تکبیر تحریمہ کہہ کر نیت باندھ لیتا ہے تو اس کے لیے دنیاوی تمام حلال چیزیں حرام ہو جاتی ہیں، اب وہ اپنی نماز میں صرف اور صرف خدا کا خوف اور اس کی طرف امید قوی رکھ کر نماز کے ارکان کو پورا کرے۔

---

(1) سنن بیہقی جلد دوم: ص:۳۹ا بحوالہ: احیاء العلوم جلد اول ۴۲۵

آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: " مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِیْ هٰذَا، ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ، لَایُحَدِّثُ نَفْسَهٗ فِیْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ "(1) ترجمہ: جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر اس نے دو رکعت نماز اس طرح پڑھی کہ ان میں اپنے دل میں کوئی دنیوی بات نہ کی ہو تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

ایک روایت میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: " إِنَّ الصَّلوٰةَ تَمَکُّنٌ وَ تَوَاضُعٌ وَتَضَرُّعٌ وَتَأَوُّهٌ وَ تَنَادُمٌ "(2) ترجمہ: بیشک نماز سکون، عاجزی، گریہ وزاری کرنے، خوف، اور پشیمانی (شرمندہ ہونے) کا نام ہے۔

اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے سب سے بہترین عمل نماز ہے؛ کیوں کہ خدا کو کسی ہدیہ و تحفہ کی ضرورت نہیں جس کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کر سکیں۔

خدائے تعالیٰ نے ہم سب کو وجود بخشا اور امتحان میں پاس ہونے کے مختلف طریقے بتائے ان میں سب سے زیادہ افضل نماز ہے۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جو مختلف اوقات میں مومن بندوں پر فرض ہے، رب تبارک و تعالیٰ نے صرف پانچ وقت کی نمازیں فرض کیں، لیکن بندہ اس کے شکر میں جتنی عبادت کرے کم ہے؛ اس لیے کہ رب تبارک و تعالیٰ کی نعمت کا بدلہ کبھی چکایا نہیں جاسکتا، وہ شخص بہت ہی ناکارہ ہے جو پانچ وقت کی نماز میں بھی کوتاہی کرتا ہے۔

نماز خدا کی ایک ایسی نعمت ہے جس کا سوال حشر میں سب سے پہلے ہوگا؛ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ کم سے کم فرض و واجب نماز کی تکمیل کرے تاکہ کچھ حد تک رہائی ہو سکے، ورنہ قیامت کے دن نفسی نفسی کے عالم میں خون کے آنسو رونے سے بھی مسئلے کا حل نہیں نکلے گا۔

(1) صحیح بخاری جلد اول: ص: ۲۸ کتاب الوضو

(2) ترمذی شریف جلد اول: ص: ۸۲ بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص: ۳۸۷

فرض وہ چیز ہے جس کی ادائیگی میں تاکید اور ترک پر وعیدیں ظاہر کی جاتی ہیں ، اس لیے کہ اس کی اہمیت بھی سب سے جدا ہوتی ہے ، ایسے ہی فرض نمازیں جن کا ادا کرنا ہر حال میں لازم ہے چاہے بیمار ہی کیوں نہ ہو۔ ان کی فضیلت بھی ہر نماز سے زیادہ ہے اور اس کی خصوصیت بھی سب سے الگ۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے بندوں پر پانچ (اوقات کی) نمازیں فرض کی ہے جو شخص انھیں ادا کرے اور ان کے حق کو معمولی سمجھ کر ضائع نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم میں اس کے لیے وعدہ ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا، اور جو ادا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس پر عذاب ہے؛ اگر چاہے تو اس کی گرفت کرے یا اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرمائے ۔ (1)

یعنی بے نمازی کی بخشش رضائے الٰہی پر موقوف ہے ؛ اور ادا کرنے والے سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے ، وہ اپنے فضل سے ضرور عطا فرمائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ” مَنْ أَتَمَّ الْوَضُوْءَ كَماأَمَرَاللهُ تَعَالىٰ؛ فَالصَّلَاةُ الْمَكْتُوْبَاتُ كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ “ (2) ترجمہ: جو کوئی بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کے حکم مطابق کامل وضو کرے تو (اس کی) فرض نمازیں (دو نمازوں) کے درمیان والے گناہوں کا کفارہ ہے۔

آگے آقا علیہ الصلاۃ والتسلیم فرماتے ہیں: ”مَامِنْ إِمْرَءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهٗ صَلٰوةٌ مَكْتُوْبَةٌ فَيَحْسُنُ وَضُوْءُهَا وَخُشُوْعَهَا وَرُكُوْعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةٌ لَّمَا قَبلَهَا مِنَ الذُّنُوْبِ مَالَمْ تُوْتِ كَبِيْرَةٌ“ (3) ترجمہ: جو کوئی بندۂ مومن فرض نماز کی آمد پر احسن طریقے سے وضو کرے ، دل جمعی اور حاضر ذہنی کے ساتھ ارکان کی ادائیگی کرے تو یہ نماز اس کے گزشتہ سارے صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جائے گی ؛ جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

---

(1) سنن ابوداؤد جلد اول: ص:٦١

(2) صحیح مسلم جلد اول: ص:١٢٢

(3) صحیح مسلم جلد اول: ص:١٢١ مکتبہ تھانوی دیوبند

یعنی ایک نماز کے بعد اور دوسری نماز سے پہلے تک جتنا گناہ بندے سے سرزد ہوا، دونوں نمازیں ان گناہوں کا کفارہ ہے یعنی درمیان میں واقع ہونے والے گناہوں کو اس کے نامہ اعمال سے مٹادیتا ہے؛ جبکہ وہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔

فرض نماز کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''پانچ نمازوں کی مثال ایک نہر جیسی ہے جس کا پانی میٹھا اور گہرا ہو، وہ تم میں سے کسی کے دروازے پر ہو اور اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غوطہ لگائے تو تمھارا کیا خیال ہے ؟ کیا جسم پر کچھ بھی میل باقی رہے گا ؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں ! آپ ﷺ نے فرمایا: " بے شک پانچ (اوقات کی) نمازیں گناہوں کو اس طرح ختم کر دیتی ہیں جس طرح پانی میل کچیل کو"

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: '' اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ ''(1) ترجمہ: بے شک نماز مومنوں پر مقررہ وقت پر فرض ہوتی ہے۔

یہ اس کی خصوصیت ہے، جب جب انسان اس وقت کو پائے تو اس پر نماز کا ادا کرنا فرض ہوگا، اور وقت ختم ہوتے ہی اس کا حکم بدل جاتا ہے یعنی اگر کسی شخص نے اس وقت میں نماز ادا نہیں کی تو قضا کا حکم ہے اور قضا میں کامل ثواب نہیں ملتا۔

فرض نماز کے ترک پر وعیدیں :۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح حکم کی تکمیل پر انعام واکرام کا وعدہ فرمایا، ٹھیک اسی طرح ترک کرنے والے کے لیے سزا بھی متعیّن فرمائی۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: '' مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ مُضِيْعٌ لِصَلٰوةٍ لَمْ يَعْبَأِ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَسَنَاتِهٖ ''(2) ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ کسی (فرض) نماز کا ضائع کرنے والا ہے تو اللہ اس کی نیکی کی پرواہ نہیں کرے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس عمل پر جتنا بڑا انعام ہوگا اس کے ترک پر اتنا ہی دردناک

---

(1) پ ۵ / سورہ نساء

(2) مجمع الزوائد جلد اول: ص: ۲۹۱ بحولہ احیاء العلوم جلد اول: ص ۳۷۸

غضب بھی ہوگا، کیا بعید !اس کی دوسری نیکیاں بھی مقبول نہ ہوں، اس لیے نماز چھوڑنے کی جرأت نہ کریں، حدیث میں تارک نماز کا حشر فرعون وہامان جو بد بخت زمانہ تھے ان کے ساتھ بتایا گیا ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: (حدیث کا جزو ہے) ''وَمَنْ ضَيَّعَهَا حُشِرَ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ'' (1) ترجمہ: جس نے ان نمازوں (پنج وقتہ فرض نمازیں) کو ضائع کیا اس کا حشر فرعون وہامان کے ساتھ ہوگا۔

نیز آقا علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے: ''مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ'' (2) ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی تو اس نے کفر (جیسا عمل) کیا۔

آگے فرماتے ہیں: ''مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَ مِنْ ذِمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ'' (3) ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی وہ محمد ﷺ کے ذمہ رحمت سے باہر ہو گیا۔

الحاصل نماز چھوڑنے والے کے لیے طرح طرح کی وعیدیں آئی ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ایک وقت کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دے تو وہ سب سے بڑی نعمت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا یعنی اس کو رسول گرامی وقار ﷺ کے ذمہ رحمت سے نکال دیا جائے گا، جس کے علاوہ مومنوں کا کوئی سہارا نہیں اور یہی سب سے بڑی سزا ہے، کیوں کہ ایک مسلمان کا آخری سہارا جو ہے وہ رحمت مصطفے ﷺ ہی ہے؛ لیکن تارک صلوۃ (نماز چھوڑنے والا) اس سے بھی محروم رہے گا۔

اس لیے کہ نماز قائم کرنا ہماری زندگی کا پہلا مقصد ہے، اس کے بغیر ہمارا کوئی کام

(1) شعب الایمان جلد۳ ص ۴۲ : بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص ۳۷۸

(2) مجمع الزوائد جلد اول: ص ۲۹۵ : بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص ۳۷۹

(3) مجمع الزوائد جلد اول: ص ۲۹۵ : بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص ۳۷۹

وجود میں نہ آئے، اگر ایسا ہوا تو کامیابی قدم چومے گی اور ان شاء اللہ تعالیٰ رحمت مصطفےٰ ﷺ کے سایے میں ضرور بالضرور جگہ ملے گی۔

نماز میں خشوع و خضوع :۔ خشوع کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اللہ کے سوا کوئی شَے نہ پائی جاتی ہو۔ نماز میں داخل ہونے سے پہلے دنیا اور متعلقات دنیا کو ذہن سے نکال کر نماز شروع کرنا چاہیے تاکہ اس وقت نمازی کے سامنے خدا اور اس کے (نمازی) علاوہ کوئی دوسری شَے حائل نہ ہو، اس طرح محسوس ہو کہ میں خدا سے مخاطب ہوں اور خدا کی رحمت میری طرف متوجہ ہے اور بارگاہ الٰہی میں فریاد و مناجات براہ راست سنی جارہی ہے، ایسے احساس کے لیے دل کا حاضر رہنا ضروری ہے، ایسا نہ ہو کہ جسم نماز میں سجدہ اور رکوع کر رہا ہو اور دل بازار میں گھوم رہا ہو، خاندان والوں کے ساتھ میل جول میں مصروف ہو۔

ایسی نماز کے بارے میں آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ إِلیٰ صَلٰوۃٍ لَا یُحْضِرُ الرَّجُلُ فِیْھَا قَلْبَہٗ مَعَ بَدَنِہٖ'' (1) ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس نماز کو قبول نہیں کرتا جس میں آدمی اپنے جسم کے ساتھ ساتھ دل کو بھی حاضر نہ کرے۔

یہ اس لیے کہا گیا کہ دل انجن کے مانند ہے، نفس ڈرائیور، اور بدن گاڑی۔ اب آپ کو اختیار کرنا ہے کہ کون سا ڈرائیور رکھیں! بھلا یا برا یعنی نفس امارہ (برائی کا حکم دینے والا) کی پیروی کرنی ہے یا نفس لوامہ کی جو اچھائی کا حکم دیتا ہے۔ اگر ڈرائیور خراب ہے تو گاڑی کی خیر نہیں اس لیے ضروری ہے کہ ہم اچھا کام کریں، نفس لوامہ کی پیروی کریں نہ کہ نفس امارہ کی، جو کہ ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: '' اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۴﴾ '' (2) میری یاد کے وقت نماز قائم کرو۔

---

(1) احیاء العلوم جلد اول: ص: ۳۸۸

(2) پ ۱۶ سورہ طٰہٰ

مطلب یہ ہے کہ جب بھی کوئی حاجت پڑے، یا کوئی مصیبت آئے تو نماز میں اس کے ختم ہونے کی دعا کرو، اس لیے کہ بندہ نماز میں خدا سے بہت قریب ہو جاتا ہے دن میں پانچ وقت کی نماز اللہ نے فرض کی ہے ،باقی جب ضرورت ہو خدا کو یاد کر لے، نماز کے مابین کوئی دوسرا خیال نہ ہو، صرف اور صرف خدا اور اس کی یادیں ساتھ ہوں۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:'' مَنْ تَوَضَّأَنَحْوَوُضُوئِیْ ھٰذَا ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ لَایُحَدِّثُ نَفْسَہٗ فِیْھِمَا، غَفَرَاللّٰہُ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ '' (1) ترجمہ: جس نے میری طرح وضو کیا پھر دو رکعت اس طرح پڑھی کہ درمیان میں اپنی کوئی بات نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ گناہ معاف کردے گا۔

جب گناہ معاف ہو جائے گا تو بندہ اللہ تعالیٰ کا دوست بن جائے گا ،اور خدا اپنے دوست کی بات کو نہیں ٹالتا کیوں کہ اس کی فرمائش مرضی مولیٰ کے مطابق ہوتی ہے ، اور وہ مشیت الٰہی کو جانتا ہے، اس کا ہر کام رضائے مولیٰ کے لیے ہوتا ہے۔

بزرگوں کے خشوع و خضوع کا عالم یہ ہوتا تھا کہ نماز کے نام پر ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے کہ اب ایسے بادشاہ کے دربار میں حاضری دینی ہے جس کا کوئی مثل نہیں۔

چنانچہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو آپ پر کپکپی طاری ہو جاتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا ،پوچھا گیا اے امیر المومنین !آپ کو کیا ہوا؟ فرمایا: اس امانت کا وقت آگیا جسے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے (اس کا بوجھ) اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس کے اٹھانے سے ڈر گئے۔ (2)

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی کہ جب آپ وضو کرتے تو

---

(1) صحیح بخاری جلد اول :ص:۲۸ کتاب الوضو

(2) احیاء العلوم جلد اول :ص ۳۸۹

آپ کا رنگ زرد ہو جاتا، گھر والے پوچھتے آپ کو وضو کے وقت کیا ہو جاتا ہے؟ تو آپ فرماتے کیا تمھیں معلوم نہیں کہ کس کے سامنے کھڑے ہونے جا رہا ہوں۔ (1)

حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ نماز کا ارادہ کرتے تو اپنے گھر والوں سے فرماتے گفتگو کرو، میں تمھاری باتیں نہیں سنتا۔

انھیں کے بارے میں منقول ہے ،ایک دن بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، مسجد کا ایک کونہ گر گیا، لوگ وہاں جمع ہو گئے لیکن آپ کو نماز سے فارغ ہونے تک پتہ نہ چل سکا۔(2)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نماز میں خشوع و خضوع اور دل کی حاضری اس درجہ تھی کہ سخت سے سخت تکلیف کا بھی احساس نہ ہوتا، ایک مرتبہ کسی بیماری کی وجہ سے بحالت نماز آپ کا پیر کاٹ لیا گیا؛ آپ کو خبر تک نہ ہوئی اور اسی حالت میں آپ نے نماز اور دیگر وظائف مکمل کیے۔(3)

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالت نماز میں اس طرح خشوع ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ نماز کی حالت میں زنبور (بھڑ) نے آپ کو سترہ مرتبہ ڈنک مارا، جس سے بدن کے سترہ حصوں پر ورم ہو گیا (پھول گیا) نماز سے فارغ ہونے کے بعد حاضرین سے فرمایا دیکھئے! کس چیز نے مجھے نماز کی حالت میں اذیت دی، تلاش کرنے پر شہد کی مکھی نکلی۔

ہماری نماز :۔آج ہمارے اندر خشوع و خضوع تو کیا نماز کے آداب اور خوف خدا کا نام و نشان تک نہیں پھر بھی عیش کی زندگی گزار رہے ہیں، پریشانی اور غیر مطمئن حالت کے ساتھ دو چار رہنے کے باوجود خدا کے حکم کو پس پشت ڈالے ہوئے ہیں اور ساتھ ساتھ سکون

---

(1) احیاء العلوم جلد اول: ص ۳۸۹
(2) احیاء العلوم جلد اول: ص ۳۸۹
(3) احیاء العلوم جلد اول: ص ۳۸۹

قلب کی تلاش میں لگے رہتے ہیں، یہ حکم خدا کے بغیر کب ممکن ہے؟

ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن اطمینان و سکون ذرہ برابر بھی حاصل نہیں ہوتا، آخر وجہ کیا ہے؟ حالاں کہ خدا کا فرمان ہے: "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾" (1) ترجمہ: خدا کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔

اس کی وجہ صرف اور صرف اکل حرام اور ناجائز افعال واقوال ہیں جو ہمارے اندر پوری طرح سے سرایت کر چکے ہیں، جھوٹی بات ہمارے اندر پائی جاتی ہے، چوری اور دغا بازی ہم کرتے ہیں، غیبت اور چغل خوری ہمارا پیشہ بن گیا ہے، اور ان سب کے ساتھ نماز کی قبولیت غیر ممکن ہے۔

نماز سے زندگی میں تبدیلی آتی ہے اور وہی قرب خدا کا ذریعہ ہوتی ہے، لیکن ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہو رہا ہے، نماز پڑھنے کے باوجود ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں، نقصان کے علاوہ کوئی فائدہ دکھائی نہیں دیتا۔

ایسی نماز (جس سے کوئی فائدہ نہ ہو) اور صاحب نماز کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلوٰتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللّٰهِ إِلَّا بُعْدًا" (2) ترجمہ: جس شخص کو اس کی نماز بے حیائی اور برائی سے نہ روکے تو اس کو ایسی نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دوری کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اب بھی ہوشیار ہو جائیں اور قرب خدا حاصل کر لیں، ورنہ اس دن وہ کیا کریں گے جب کہ ہر ایک جان نفسی نفسی کے عالم میں رہے گی؟ جس کی ترجمانی شاعر نے یوں کی ہے۔ ع

روز محشر کہ جاں گداز بود　　　اولیں پرسش نماز بود

ترجمہ: حشر کا دن جو کہ جان کو پگھلانے والا ہوگا، اس دن سب سے پہلے نماز کی پوچھ تاچھ ہوگی۔

---

(1) پ ۱۳ سورہ رعد: آیت:

(2) معجم کبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۵۴ احیاء العلوم جلد اول: ص ۴۰۷

جو مسلمان غفلت میں پڑے ہیں انھیں آگاہ کریں تاکہ قیامت کے دن ان کی جانب سے آپ مطمئن ہو جائیں، یعنی آس پاس، رشتہ دار اور آل و اولاد کے بارے میں پوچھ تاچھ ہوگی کہ تو نے ان لوگوں تک میرا پیغام پہنچایا تھا کہ نہیں؟

ادائے نماز کا بہترین طریقہ :۔ لوگ نماز تو ادا کرتے ہیں لیکن کامل طریقے سے ادا نہیں کرپاتے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا ذہن نماز میں حاضر نہیں رہتا۔

سوال:۔ اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن طرح طرح کے وسوسے اور خیالات جو ذہن میں نماز کے اندر پیدا ہوتے ہیں، ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟ حالاں کہ یہ اختیاری چیز تو نہیں کہ انسان اس پر قادر ہو بلکہ اضطراری ہے۔

جواب :۔ اعلی حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے ادائے نماز اور دفع وساوس کا بڑا موئثر طریقہ بیان فرمایا ہے جو حضور قلب کے لیے اکسیر اعظم ہے۔(بہت زیادہ مفید ہے۔)

(۱) نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ بقوت باندھے۔ نفس کا معدن زیر ناف ہے اور یہیں سے وسوسے اٹھتے ہیں اور قلب میں جاتے ہیں، اس لیے ائمہ شافعیہ رضی اللہ عنہم قلب کے نیچے پیٹ پر ہاتھ باندھنے کا حکم دیتے ہیں، تاکہ دشمن کا راستہ روکیں اور ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں تاکہ جس مقام سے یہ فتنہ سر اٹھاتا ہے اسی کو بند کر دیں، ہاتھ وقتاً فوقتاً ڈھیلے ہو جائیں تو انھیں کس لیا کریں۔

(۲) نگاہ کے مواضع جو شریعت نے بتایا ہے، اس سے یہی مقصود ہے کہ خیال پریشاں نہ ہونے پائے، اس کی پابندی ضروری ہے، قیام میں نگاہ جائے سجدہ پر رہے، رکوع میں پاؤں پر، قعود میں گود پر اور سلام میں شانے پر۔

(۳) کان اپنی آواز سے بھر لے۔

(۴) پڑھنے میں جلدی کرنی چاہیے تاکہ آہستہ ڈھیل (یعنی سستی کے ساتھ آہستہ آہستہ

پڑھنے سے خیال بھٹک جاتا ہے اور جب بغیر سستی کے جلدی جلدی پڑھے تو ذہن حاضر رہتا ہے) کے ساتھ جو پڑھی جائے تو خیال کو انتشار کا میدان وسیع ملتا ہے اور جب جلد جلد الفاظ ادا کیے جائیں اور صحت کا بھی لحاظ رکھیں تو خیال کو اس طرف سے فرصت ملے گی۔

(۵) ایک بڑی اصل یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک ہر جوڑ اور ہر رگ ڈھیلی رہے، اور تصور میں زمین کی طرف متوجہ رہے، ہاتھ کھنچے ہوئے نہ ہوں، مونڈھے نہ چڑھے ہوں اور پسلیاں سخت نہ ہوں، جب بدن کی یہ وضع ہو جائے تو تبدل آتے ہی فوراً ٹھیک کر لیں۔

(۶) اگر اذکار نماز کے معانی معلوم ہوں تو "فَبِهَا" ورنہ اتنا تصور جمائے رہے کہ میں اپنے رب کے حضور کھڑا ہو کر عاجزی وانکساری کر رہا ہوں، اور گڑگڑا کر اپنی صورت کو رونے جیسی بنا لے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نماز پڑھو تو یہ تصور باندھو کہ گویا تم اپنے رب کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا تصور ضرور رکھو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ جب یہ وضع بدلے تو پھر سے بنا لیں معاً (ساتھ ہی) خیال صحیح ہو جائے گا۔

(۷) وسوسے جو آئیں ان کے دفع کی کوشش نہ کرے بلکہ معاً (فوراً) اُدھر سے خیال ہٹا کر اپنے رب کے حضور عاجزی کی طرف متوجہ کر دے، اور وسوسے کو یہ سمجھ لے کہ کوئی دوسرا بک رہا ہے مجھ سے کچھ کام نہیں، اگر ستائے تو اسی عاجزی میں اپنے رب سے فریاد کرے۔

(۸) پیٹ اتنا خالی نہ ہو کہ بھوک پریشان کرے، یہ بھی مضر ہو گا اور نہ بھرا ہو بلکہ افضل و اولیٰ تہائی پیٹ ہے۔(1)

سو کر اٹھنے کے بعد خیال مجتمع (جمع) ہوتا ہے اس کے بعد بجلی کی طرح منتشر (پھیلنے) ہونے لگتا ہے، اس لیے آنکھ کھلتے ہی پہلا کام یہ کرے کہ خیال کو روک کر تصور میں تین مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھے اگر ایسا کر لے تو دن بھر اس کی برکت اس کے خیال پر حاوی اور بھاری رہے گی۔

حکایت:۔ ایک مرتبہ عصام بن یوسف حضرت حاتم اصم کی بارگاہ میں آئے اور ان

---

(1) امام احمد رضا اور تصوف ص۱۰۶

سے پوچھا، اے ابو عبد الرحمن! آپ نماز کیسے ادا کرتے ہیں ؟ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب نماز کا وقت آتا ہے تو میں ظاہری و باطنی دونوں طرح وضو کرتا ہوں۔

عصام بن یوسف نے کہا: کا س کا کیا مطلب ؟ آپ نے فرمایا: وضوے ظاہری سے مراد اپنے اعضا کو پانی سے دھوتا ہوں اور باطنی سے مراد اپنے کو سات چیزوں سے پاک کرتا ہوں (۱) توبہ (۲) ندامت (۳) دنیا کی محبت کے ترک سے (۴) مخلوق کی تعریف (۵) ریاست (۶) حسد (۷) اور کینہ کو ترک کر کے مسجد جاتا ہوں ، پھر کعبہ کو دیکھتا ہوں ، اس کے بعد امید و بیم کی کیفیت میں کھڑا ہو جاتا ہوں ، بخدا میں دیکھتا ہوں کہ جنت میرے دائیں جانب ہے اور جہنم میرے بائیں جانب ، ملک الموت میرے پیچھے ہے گویا کہ میں پل صراط پر کھڑا ہوں اور گمان کرتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے جسے پڑھ رہا ہوں ، خشوع و خضوع کے ساتھ نیت کرتا ہوں ، غور و فکر کر کے قراءت کرتا ہوں ، عاجزی و انکساری اور گریہ وزاری کے ساتھ رکوع و سجود کرتا ہوں ، قبولیت کی امید کر کے تشہد اور اخلاص کے ساتھ سلام پھیرتا ہوں ، اور اسی طریقے پر میری تیس سال سے نماز ہے۔[1]

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنت کریمہ ، بزرگوں کے اقوال و افعال اور خوف خدا سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بندہ نماز کے اندر دل میں خدا کا خوف تو رکھے ہی اس کے علاوہ نماز سے باہر بھی دیگر اوقات میں خوف خدا سے دل کو لبریز کیے رکھے ، اس سے سب سے بڑا فائدہ ہمارے لیے یہ ہوگا کہ ذہن نماز سے دور نہیں ہوگا ، اور طرح طرح کے وسوسے اور خیالات سے بھی محفوظ و مامون رہے گا۔

وسوسوں اور خیالوں کا آنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ ہم صرف نماز ہی میں خدا کو یاد کرتے ہیں ، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شیطان ہم پر حاوی ہو کر ہر طرح کے خیالات ذہن میں ڈال دیتا ہے اور نماز سے خشوع و خضوع کو دور کر کے عبادت کو بے سود کر دیتا ہے ، جس سے ہمارے

[1] کتاب القلیوبی حکایت ر ۳۱ ر ص: ۴۰

اوقات واعمال دونوں ضائع ہوجاتے ہیں۔

آج لوگوں کا حال یہ ہوگیا ہے کہ وضو کرتے وقت جب کہ چپ رہنے کا حکم ہے لغو اور دنیوی باتیں کرتے رہتے ہیں اور بعد وضو اسی حالت میں (بات کرتے کرتے) مسجد پہنچ جاتے ہیں، تو کیوں نہیں ہمارا ذہن دنیا کی طرف مائل ہوگا؟ اگر ہم وضو کرتے وقت ہی نماز کا مکمل ارادہ کرکے ہر کام کو پس پشت ڈال دیں اور ذکر خدا کرتے ہوئے مسجد پہنچیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور ہمارا ذہن نماز میں وسوسے اور برے خیالات سے محفوظ رہے گا، اور ہمیں دین و دنیا دونوں میں کامیابی نصیب ہوجائے گی جو کہ ایک بندۂ مومن کا مقصد حیات ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ” صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ “ ترجمہ: جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھو اسی طرح نماز ادا کرو۔

زکات کا بیان

زکات کا لغوی معنی ہے صاف ستھرا، اور شرع میں مالک نصاب کا مخصوص مال سے مخصوص مقدار نکالنے کو زکات کہتے ہیں۔

زکات کی اہمیت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ جب جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ہی زکات کی ادائیگی کی تاکید کی۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد وگرامی ہے:" اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ "(1) نماز قائم کرو اور زکات دو۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:" بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكَاةِ وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَحَجُّ بَيْتِ اللّٰهِ "(2) ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد مصطفے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکات دینا، رمضان شریف کے روزے رکھنا اور استطاعت رکھنے والے کے لیے بیت اللہ شریف کا حج کرنا۔

فرضیت زکات: ۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ۲ ھ میں زکات کو فرض فرمایا پھر روزہ کو۔(3)

---

(1) پ۱ سورہ بقرہ

(2) صحیح بخاری جلد اول: ص۶ کتاب الایمان

(3) ماخوذ من حاشیہ المختصر القدوری ص۳۹ مجلس برکات

سوال:۔ ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ آخرکس پر زکات فرض ہے ؟کیاہر شخص یعنی مال دار و غریب دونوں یاصرف مال دار پر؟اور کس کواس کا مستحق ٹھہرایا جائے ؟

جواب:۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف مال داروں پر زکات فرض فرمایااوراس کا مستحق غربا، فقرااور نادار و ناتواں کو قرار دیا ہے۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ زکات ارکان اسلام میں سے ہے، تو اب یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ کن کن چیزوں میں زکات واجب ہوتی ہے ؟

اقسام زکات:۔ چھ چیزوں میں زکات واجب ہوتی ہے۔

(۱)**جانوروں میں**۔ اور وہ تین طرح کے ہیں، **اونٹ**، **گائے**، **بکری**، اس کے علاوہ کسی جانور میں زکات نہیں۔

(۱)**اونٹ**:۔ صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانچ اونٹ سے کم میں زکات نہیں" (1)

پانچ اونٹ میں دو سالہ بکری جو تیسرے سال میں داخل ہوگئی ہو، دس میں دو، پندرہ میں تین، بیس میں چار بکریاں دے، اور جب پچیس اونٹ پورا ہو جائے تو ایک سالہ اونٹ کا مادہ بچہ اور اگر مادہ نہ ہو تو دو سالہ نر دے۔(2)

(۲) گائے:۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو یہ حکم صادر فرمایا: کہ ”ہر تیس گائے سے ایک تبیع یا تبیعہ (گائے کا ایک سالہ بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) اور ہر چالیس میں ایک مسن یا مسنہ (دو سالہ بچہ جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو) لے۔(3)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(1) صحیح بخاری جلد اول:ص۲۰۱
(2) مختصر القدوری کتاب الزکاۃ ص۴۳
(3) سنن ابوداؤد جلد اول:ص۲۲۱ مکتبہ اشرفیہ دیوبند

فرمایا: ”کام کرنے والے جانور میں زکات نہیں۔(1)

تیس سے کم گائے میں زکات نہیں۔ تیس گائے پر ایک سالہ بچہ جو دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو اور چالیس میں دو سالہ بچہ جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، پھر ساٹھ میں ایک سالہ دو بچہ۔ اس کے بعد ہر تیس پر ایک سالہ ایک بچہ اور چالیس پر دو سالہ۔ (2)

(۳) **بکری:**۔ حضرت انس رضی اللہ سے مروی ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب انھیں بحرین بھیجا تو فرائض صدقہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے تھے لکھ کر دیے، ان میں بکری کے نصاب کا بھی بیان تھا اور وہ یہ تھا کہ زکات میں بوڑھی، عیب دار بکری اور نہ ہی بکرا دیئے جائیں، ہاں اگر مصدق (صدقہ وصول کرنے والا) چاہے تو لے سکتا ہے۔(3)

بکری میں چالیس سے کم میں زکات واجب نہیں، چالیس میں ایک سالہ بچہ اور ایک سو اکیس میں دو بکری، اور دو سو ایک میں تین بکری، پھر چار سو میں چار اس کے بعد ہر سو میں ایک بکری دینا واجب ہو گا۔(4)

(۴) **سونا چاندی** :۔ امیر المومنین حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”گھوڑے لونڈی اور غلام کی زکات میں نے معاف فرمائی تو اب چاندی کی زکات ہر چالیس درہم سے ایک درہم ادا کرو، مگر ۱۹۰ میں کچھ نہیں، جب ۲۰۰ درہم ہو تو پانچ درہم دو! (5)

ان میں سے ہر ایک پر ایک سال گزرنا شرط ہے۔ سال گزرنے میں ایک دن بھی باقی رہ گیا تو زکات واجب نہیں۔ اسی طرح زکات کے نصاب میں ایک گرام بھی کم ہو تو بھی زکات

(1) سنن ابوداؤد جلد اول: ص ۲۲۱ مکتبہ اشرفیہ دیوبند

(2) مختصر القدوری ص ۴۰

(3) صحیح بخاری جلد اول: ص ۱۹۵

(4) مختصر القدوری ص ۴۱ بہار شریعت جلد اول: ص ۸۹۷

(5) سنن ترمذی جلد اول: ص ۷۹

واجب نہیں، اور اگر نصاب سے زیادہ ہو تو اس کا بھی چالیسواں حصہ نکالنا ضروری ہے۔

سکۂ رائج الوقت (جو پیسہ بازار میں چلتا ہے) سے زکات ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اس کے نکالنے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ مجموعی رقم کی قیمت پتہ کر کے اس کا چالیسواں حصہ نکالے۔

اس میں (زکات) جس دن نکالے اسی دن کی قیمت کا اعتبار ہو گا نہ کہ دوسرے دن کا، کیوں کہ ان سب چیزوں کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

(۳) **مال تجارت :۔** حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ حکم دیا کرتے کہ " جس کو ہم بیع (تجارت) کے لیے مہیا کریں اس کی زکات نکالیں "۔(1)

مال تجارت پر حولان حول گزر جائے تو اس پر زکات واجب ہو جاتی ہے، اس کا نصاب سونے چاندے کے نصاب کے برابر ہے، کہ اگر مال تجارت کی قیمت ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو تاجر مالک نصاب ہو گا، اس میں (مال تجارت) دن کا شمار، جس دن سے مال سے خرید و فروخت شروع ہوئی اسی سے کیا جائے گا۔

اور روپے پیسوں کا بھی یہی حکم ہے۔(2)

مالک نصاب زکات میں وہ چیز دے جو شہر میں زیادہ فائدہ والی اور رائج ہو۔(3)

(۴) **خزانے اور معدنیات:۔** اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کی معیشت اور حوائج زندگی کے لیے خزانوں کو زمین، آسمان اور نہ جانے کہاں کہاں رکھا ہے، تاکہ بندہ اس کو تلاش کر کے اپنے کام میں لا کر خدا کا شکر ادا کرے۔

جیسے کہیں زمین کے اندر سے سونا نکلتا ہے، تو کہیں چاندی، کوئلے اور تیل وغیرہ، اور

---

(1) سنن ابوداؤد جلد اول: ص ۲۱۸

(2) اس پر بھی حولان حول یعنی ایک سال کا گزرنا ضروری ہے اور اس میں بھی چالیسواں حصہ ہے۔

(3) مختصر القدوری ص ۴۲ مجلس برکات

دور حاضر میں طرح طرح کے وسائل سے ان خزانوں کی تلاش وجستجو بھی کی جارہی ہے اس لیے غیب جاننے والے آقا ﷺ نے اس کا بھی مسئلہ واضح کردیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "رکاز (کان) میں خمس ہے۔ (1)

کان سے لوہا، سیسہ، تانبا، پیتل، سونا اور چاندی نکلے تو اس میں خمس (پانچواں حصہ) لیا جائے گا، اور باقی پانے والے کا ہے۔

مکان و دکان میں رکاز نکلی تو اس میں خمس نہ لیا جائے، بلکہ کل مالک کو دیا جائے۔(2)

اس میں حولان حول اور مالک نصاب کی شرط نہیں۔

(۵) **زمین کی فصل**:۔ قرآن میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ" (3) کھیتی کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: زمین کو آسمانوں یا چشموں نے سیراب کیا تو عشری ہے یعنی نہر کے پانی سے اسے سیراب کرتے ہوں تو اس میں عشر (دسواں حصہ) ہے اور جس زمین کو سیراب کرنے کے لیے جانور پر پانی لاد کر لاتے ہوں تو نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔(4)

عشر میں سال گزرنا شرط نہیں بلکہ سال میں چند بار ایک کھیت میں زراعت ہوئی تو ہر بار عشر واجب ہوگا، اور اس میں نصاب کی بھی شرط نہیں ہے، ایک صاع بھی پیدا ہو تو بھی عشر واجب ہوگا، اور یہ بھی شرط نہیں کہ وہ چیز باقی رہنے والی ہو، اور یہ بھی نہیں کہ کاشت کار زمین کا مالک ہو، یہاں تک کہ مکاتب و ماذون (غلام) نے اگر کاشت کی تو اس پیداوار میں بھی عشر

---

(1) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۴۰ بحوالہ بہار شریعت جلد اول: ص ۹۱۲
(2) بہار شریعت جلد اول: ص ۹۱۲ مکتبۃ المدینۃ
(3) پ ۸ سورہ انعام
(4) صحیح بخاری جلد اول: ص ۲۰۱

واجب ہوگا۔

بلکہ وقفی زمین میں بھی زراعت ہوئی تو اس پر بھی عشر واجب ہوگا، خواہ زراعت کرنے والے اہل وقف ہوں یا اجرت پر کاشت کی۔

جو کھیت بارش یا نہر نالے کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو اس میں عشر واجب ہوگا۔اور آب پاشی (کھیت میں پانی ڈالنا) چرس یا ڈول سے ہو تو نصف عشر واجب ہوگا اور پانی خرید کر آب پاشی کی ہو یعنی وہ پانی کسی کی ملکیت میں تھا، اس سے خرید کر آب پاشی کی، تو بھی نصف عشر واجب ہوگا، اور اگر وہ کھیت کچھ دنوں بارش کے پانی سے سیراب کیا جاتا تھا اور کچھ دنوں ڈول، چرس سے تو اکثر کا اعتبار ہوگا ،اگر اکثر بارش کے پانی اور کبھی کبھی ڈول سے تو عشر واجب ہوگا، ورنہ اس کا برعکس یعنی زیادہ تر ڈول سے اس کی سینچائی ہوئی ہو تو نصف عشر واجب ہوگا۔

عشری زمین، پہاڑ یا جنگل میں شہد ہوا تو اس میں بھی عشر واجب ہوگا۔(1)

دور حاضر میں کھیت میں مشین کے ذریعہ جو پانی ڈالتے ہیں تو وہ ڈول سے پانی بھرنے کے حکم میں ہے، اس میں بھی بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا۔

ہمارے معاشرہ میں یہ رواج چل گیا ہے کہ کھلیان ہی میں پانچ یا چھ کلو کے مطابق غلہ نکال کر فقیر وغیرہ کو دے دیتے ہیں ، اور اسی کو کافی سمجھتے ہیں حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ پوری فصل کو وزن کرکے دسواں یا بیسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا، اگر ایسا نہیں کرتا ہے تو زکات نکالنے والا نہیں ہوگا، اور حکم خدا کی نافرمانی پر سزا کا مستحق ہوجائے گا۔

(۶) **صدقۂ فطر :۔** صدقہ فطر ہر آزاد، مالک نصاب، مسلمان مرد و عورت پر جس کا نصاب حاجت اصلیہ سے فارغ (زیادہ) ہو واجب ہے۔

اس میں عاقل و بالغ اور مال نامی (ایسا مال جس سے خرید و فروخت کی جاتی ہو) ہونے کی شرط نہیں ہے۔(2)

---

(1) بہار شریعت جلد اول حصہ ۵ ص ۹۱۷۔۹۱۸ مکتبۃ المدینۃ

(2) بہار شریعت جلد اول حصہ ۵ ص ۹۳۵

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:"أَدُّوْا صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَمَّنْ تَمُوْنُوْنَ" (1)
ترجمہ: ان کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرو جو تمھاری کفالت میں ہیں۔

مالک نصاب باپ پر اپنے اور چھوٹے بچے کی طرف سے (صدقہ فطر) ادا کرنا واجب ہو گا، جب کہ بچہ خود مالک نصاب نہ ہو، اور اگر وہ مالک نصاب ہو تو اس کا صدقہ فطر اسی کے مال سے ادا کیا جائے۔ مجنون اولاد اگر چہ بالغ ہو جب کہ غنی نہ ہوں تو اس کا صدقہ فطر اس کے باپ پر واجب ہو گا، اور غنی ہو تو خود اس کے مال سے ادا کیا جائے۔

جنون خواہ اصلی ہو یعنی اسی حالت میں بالغ ہوا، یا بعد میں عارض ہوا، دونوں کا ایک ہی حکم ہے یعنی غیر غنی ہونے کی صورت میں اس کے باپ پر واجب ہو گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:
"بندے کا روزہ آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتا ہے صدقہ فطر ادا کرنے تک" (2)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:
"فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ،" (3) ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کو روزے کی لغویات اور لایعنی کاموں سے طہارت کا باعث اور غریبوں، مسکینوں کی خوراک قرار دیا۔

عید کے دن صبح صادق طلوع ہوتے ہی صدقہ فطر واجب ہو جاتا ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے صدقہ فطر کی مقدار بیان کرتے ہوئے فرمایا: "صدقۂ فطر ایک صاع (۴ کلو ۹۰ گرام) خرما (کھجور) یا جو، غلام و آزاد مرد و عورت چھوٹے اور بڑے مسلمانوں پر مقرر کی (اور ذمہ دار افراد اپنے ماتحتوں کی جانب سے ادا کریں) اور یہ حکم فرمایا: "نماز

---

(1) احیاء العلوم جلد اول: ص ۵۲۹

(2) تاریخ بغداد جلد ۸ ص ۳۶۲ بحوالہ بہار شریعت جلد اول حصہ ۵ ص ۹۳۵

(3) مشکاۃ المصابیح ص ۱۶۰

کو جانے سے پیشتر ادا کردے" (1)

گیہوں یا اس کا آٹا یا ستو میں نصف صاع (۲ کلو ۴۵ گرام) کھجور یا جو یا اس کے آٹا میں ایک صاع ہے۔

اور اگر باپ نہ ہو تو دادا اپنے یتیم پوتے کی طرف سے ادا کرے کیوں کہ اب باپ کے قائم مقام وہی ہے۔ ماں پر اپنے چھوٹے بچوں کی طرف سے صدقہ واجب نہیں۔

صدقۂ فطر واجب ہونے کے لیے روزہ رکھنے کی شرط نہیں اگر کسی عذر، مرض اور بڑھاپا یا۔ معاذ اللہ۔ بلا عذر روزہ نہ رکھا جب بھی واجب ہے۔

ماں باپ، دادا دادی، نابالغ بھائی اور دیگر رشتہ داروں کا فطرہ اس کے ذمہ نہیں اور بغیر حکم ادا بھی نہیں کر سکتا۔ عورت یا اولاد عاقل، بالغ کا فطرہ بھی اس کے ذمہ نہیں اور اگر ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔ (2)

تنبیہ :۔ زکات اس مال میں فرض ہوگی جس میں حولان حول کی شرط لگائی گئی ہے اور وہ تین قسم کا مال ہے (۱) سونا چاندی (۲) جانور (۳) مال تجارت۔ عشر دفینہ اور صدقہ فطر اسی کے حکم میں شامل ہے لیکن اس پر حولان حول کی شرط نہیں، اس لیے فقہائے احناف نے اس کو زکات کی قسم میں داخل نہیں کیا۔ لیکن اس کا حکم بھی حکم زکات ہی کی طرح ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی نے احیاء العلوم میں زکات کی چھ قسمیں بیان کی ہے ؛ لیکن احناف کے نزدیک تین طرح کے مال میں زکات واجب ہے۔ (۱) سونا چاندی، روپیہ پیسہ (۲) مال تجارت (۳) جانور۔

مصارف زکات :۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ

---

(1) صحیح بخاری جلد اول: ص

(2) بہار شریعت جلد اول حصہ ۵ ص ۳۸، ۳۷، ۹۳۶ مکتبہ المدینہ

ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ ،، (1) ترجمہ: صدقات فقراو مساکین کے لیے ہیں اور ان کے لیے جو اس کام پر مقرر ہیں اور وہ جن کے قلوب کی دل جوئی مقصود ہے اور غلام آزاد کرانے میں اور تاوان والے کے لیے اور اللہ عزوجل کی راہ میں اور مسافر کے لیے۔

یعنی صدقات فقراو مساکین، صدقات کی وصولی کرنے والوں، غیر مسلموں کی دل جوئی کے لیے (لیکن یہ حکم اب منسوخ ہے)، غلامی سے نجات دلانے میں، تاوان (قرض اداکرنے کے لیے) اور اللہ کی راہ میں سفر کرنے والوں کے لیے ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے صدقات کو کسی نبی یا کسی اور کے حکم پر نہیں رکھا بلکہ خود اس کا حکم بیان فرماکر اس کے آٹھ حصہ کیے،، (2)

اگر اللہ عزوجل اس کے مصارف کو بیان نہیں فرماتا تو ہو سکتا تھا کہ سارے لوگ مستحق زکات بن جاتے اور ہر فقیر و غنی لینے کو تیار ہو جاتے، جس سے انسان کا دل مردہ ہو جاتا اور خدا کی عبادت کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

مال زکات کھانا ان کے لیے مضر نہیں جو مستحق ہیں، ان کے علاوہ ہر ایک کے لیے دل کو مردہ کر دینے والا زہر ہے، اس لیے کہ غنی کے لیے مال زکات لینا حرام ہے اور سادات بھی اسی زمرے میں (مال دار) شامل ہیں کہ وہ کسی حالت میں زکات کے مستحق نہیں، اگرچہ ان کی حالت مسکین جیسی ہو گئی ہو۔

حضرت مطلب بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' آل محمد ﷺ کے لیے صدقہ واجبہ جائز نہیں کہ یہ تو آدمی کا میل کچیل ہے'' (3)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقے کا خرما (کھجور) لے کر منہ میں رکھ لیا تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: '' چھی

---

(1) پ ۱۰ سورہ توبہ
(2) سنن ابوداؤد جلد اول: ص: ۲۳۰
(3) صحیح مسلم جلد اول: ص: ۳۴۵

چھی" اسے پھینک دو، پھر فرمایا: "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے" (1)

زکات لینا جس کے لیے جائز ہے وہ کل سات طرح کے لوگ ہیں۔ (بلفظ دیگر مستحقین زکات سات ہیں)

(۱) **فقیر:**۔ فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ مال ہو لیکن وہ مال نصاب تک نہ پہنچے یا پھر نصاب تک تو پہنچ رہا ہے، لیکن حاجت اصلیہ میں داخل ہے یا اس پر کسی کا قرض ہے اگرچہ دین مہر ہی ہو، اگر فقیر عالم ہو تو زیادہ بہتر ہے کہ زکات عالم کو دیں تاکہ اس کے ذریعہ دین کی کچھ خدمت ہو سکے۔

(فقیر کے لیے بھیک مانگنا حرام ہے)

(۲) **مسکین** :۔ جس کے پاس کچھ مال نہ ہو۔(2) اس کی محتاجی کا عالم یہ ہو کہ اس کے پاس کھانا اور پورا بدن چھپانے کا کپڑا تک نہ ہو۔ جس کے پاس ایک وقت کا کھانا ہو اور دوسرے وقت کا نہ ہو۔

(۳) **عامل** :۔ وہ شخص جس کو بادشاہ اسلام نے صدقہ، زکات اور عشر وصول کرنے پر مقرر کیا ہو کہ اس کو کام کی مقدار سے دیا جائے گا۔(3)

(۴) **رقاب:**۔ اس سے مراد مکاتب غلام ہے جس کو غلامی سے آزادی کے لیے زکات کا مال دیا جائے گا۔(4)

(۵) **غارم:**۔ اس سے مراد جس پر قرض ہو۔ یعنی: اس پر اتنا قرض ہو کہ ادا کرنے کے بعد مالک نصاب نہ رہے تو اس کو زکات دینا جائز ہے۔

(۶) **فی سبیل اللہ:**۔ جو شخص اللہ کی راہ میں جانے پر آمادہ ہو گیا ہو اور اس کے پاس مال

---

(1) صحیح بخاری جلد اول: ص: ۲۰۲

(2) مختصر القدوری ص: ۴۴

(3) مختصر القدوری ص: ۴۴

(4) مختصر القدوری ص: ۴۴

نہ ہو تو زکات دینا جائز ہے جیسے: غازی (جہاد کرنے والا) یا حج کرنا چاہتا ہے، اور مال اس کی موافقت نہیں کر رہا ہے، لیکن حج کرنے کے لیے زکات کا مانگنا جائز نہیں۔

(۷)**ابن سبیل** :۔وہ ہے جس کا وطن میں مال تو ہو لیکن وہ دوسری جگہ ہو اور اس وقت اس کے پاس کچھ نہ ہو تو اسے حاجت وضرورت کے مطابق دینا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں۔(1)

نوٹ:۔ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے کافروں کو ان کی دل جوئی کے لیے زکات دیا جاتا تھا تاکہ اسلام کی طرف اس کا دل مائل ہو، اسی کو "موٴلفۃ قلوب" کہتے ہیں، لیکن جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو اس کی حاجت بھی ختم ہو گئی اس لیے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

صدقہ کی فضیلت :۔زکات ادا کرنے سے انسان کے مال میں بظاہر کمی تو آجاتی ہے لیکن حقیقت میں اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مال دیتا ہی خرچ کرنے کے لیے ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: " وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ "(2) اللہ کے راہ میں خرچ کرو۔

خرچ کرنے سے مراد احساناً (احسان کرتے ہوئے) یا تکبراً نہیں بلکہ اس کا حق سمجھ کر۔

جو شخص خشوع و خضوع اور خوش دلی کے ساتھ اپنے مال سے زکات نکال دیتا ہے تو اللہ اس کے مال میں برکت کاملہ عطا فرماتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: " مَا نَقَصَتْ صَدَقَتُہٗ مِنْ مَالٍ "(3) کہ خیرات مال کو کم نہیں کرتی (بلکہ بڑھاتی ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(1) بہار شریعت جلد اول: ص: ۹۲۶

(2) پ:۲: سورہ بقرہ: آیت: ۱۹۵

(3) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۶۷

فرمایا: ''مَنْ تَصَدَّقَ بِعَدْلِ تَمَرَةٍ مِنْ كَسَبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبُلُ اللهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللهَ يَتَقَبَّلَهَا بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ يُرَبِّيْهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّيْ أَحَدُكُمْ فَلُوَّهُ حَتّٰى تَكُوْنَ مِثْلَ الْجَبَلِ '' (1) ترجمہ: جو شخص اپنی حلال کمائی سے ایک کھجور کے برابر صدقہ کرے اور اللہ صرف حلال ہی کو قبول فرماتا ہے، تو اللہ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول فرماتا ہے یعنی جلد ہی قبول فرمالیتا ہے، پھر صدقہ کرنے والے کے مال کی ایسی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ (اس کا مال) پہاڑ کے برابر ہوجاتا ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ اگر انسان اپنی حلال کمائی سے خلوص وللّٰہیت کے ساتھ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی صدقہ کرتا ہے تو اللہ اس کو قبول فرمالیتا ہے اور اس کو اطمینان و سکون عطا کر کے ہر شَے میں برکت کا نزول فرماتا ہے۔ اور جو شخص صدق دل سے صدقہ نہیں دیتا اگر چہ پہاڑ کے برابر ہی کیوں نہ ہو وہ قابل قبول نہیں، کیوں کہ اس کی بنیاد ہی (نیت) بد پر ہے، اور حرام کمائی سے تو مطلقاً صدقہ قبول نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی اصل ہی بے کار ہے۔

لٰہذا بندۂ مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ رضائے مولیٰ کے لیے خوب خوب صدقہ کرے۔ اور یہ ہر بندے پر لازم ہے کیوں کہ صدقہ صرف مال کے ذریعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ بھلائی کرنا بھی ایک صدقہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ'' (2) ترجمہ: ہر بھلائی صدقہ ہے۔ یہاں تک کہ مسکرا کر ملنا بھی ایک صدقہ ہے اس لیے کسی بھلائی کو کبھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْأً وَلَوْ أَنْ تَلْقِیْ أَخَاكَ لِوَجْهٍ طَلِيْقٍ'' (3) ترجمہ: کسی بھلائی کو حقیر نہ جانو اگر چہ اپنے بھائی کے ساتھ خوش ہو کر ملو۔

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۶۷

(2) صحیح بخاری جلد اول: ص: ۸۹۰

(3) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۶۷

مطلب یہ ہوا کہ کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر مت چھوڑو ہو سکتا ہے کہ وہی سامان نجات بن جائے، اور کسی برائی کو چھوٹا سمجھ کر مت کرو کیوں کہ وہی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

انسان اگر بھلائی کرنے کے لائق نہ ہو تو اس کے لیے بھی صدقہ ہے، جیسا کہ حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَإِنْ لَمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْهِ فَیَنْفَعُ نَفْسَهٗ وَیَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَإِنْ لَمْ یَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَاالْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفِ قَالُوْا فَإِنْ لَمْ یَفْعَلْهُ قَالَ فَیَأْمُرُ بِالْخَیْرِ قَالُوْا فَإِنْ لَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهٗ لَهٗ صَدَقَةٌ“ (1)

ترجمہ: ہر مسلمان پر صدقہ ہے صحابہ نے عرض کیا اگر نہ پائے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے ہاتھ سے کام کرے خود نفع اٹھائے اور خیرات کرے صحابہ نے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کر سکے یا کرے (راوی کا شک ہے) فرمایا تو کسی مظلوم حاجت مند کی مدد کرے (ہاتھ پاؤں وغیرہ سے مدد کرے) بولے اگر یہ بھی نہ کرے تو فرمایا اچھی بات کا حکم دے، اگر یہ بھی نہ کرے تو فرمایا برائی سے بچے کہ اس کے لیے یہی صدقہ ہے۔

قرآن میں ہے: ”وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝“ (2)

ترجمہ: اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے روکا۔ (وہی کامیاب ہے) یعنی انسان کا خود کو برائی سے روکنا بھی ایک صدقہ ہے اور یہ اس کی نیکی میں لکھا جائے گا۔

چھوٹی چھوٹی باتوں کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دینا یا کم تر برائی کا ارتکاب کرنا یہ انسان کے لیے سب سے بڑا شیطانی چال ہے، کیوں کہ خدا کی رضا اور ناراضگی کس میں چھپی ہوئی ہے کسی کو معلوم نہیں اس لیے انسان ہر نیک کام کرے اگر چہ دیکھنے میں حقیر معلوم ہو، اور ہر برائی کو

---

(1) صحیح بخاری جلد اول: ص: ۸۹۰

(2) پ ۳۰ سورہ نازعات

چھوڑے اگر چہ اس کا انجام برا نہ ہونے کا امکان ہو۔

الحاصل انسان اگر زکات دے تو اس میں اسی کا فائدہ ہے کیوں کہ خدا اس کی زکات کا محتاج نہیں، اس نے تو صرف اپنی قربت کے لیے یہ راستہ بتایا ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ”صِلُوْا الَّذِیْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ رَبِّکُمْ بِکَثْرَۃِ ذِکْرِکُمْ لَہٗ وَکَثْرَۃِ الصَّدَقَۃِ بِالسِّرِّ وَالعلانیۃِ تُرْزَقُوْا وَتُنْصَرُوْا وَتُجْبَرُوْا“ (1) ترجمہ: اللہ عز و جل کے ساتھ اپنی نسبت درست کرو اس کے لیے اپنے ذکر، خفیہ اور ظاہر صدقہ کی کثرت سے کہ ایسا کرو گے تو روزی دی جائے گی اور مدد کیے جاؤ گے اور تمھاری بگڑیاں بنائی جائیں گی۔

ارشاد ربانی ہے: ’وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝۳۹“ (2) ترجمہ: اور جو کچھ تم خرچ کرو گے، اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اور دے گا اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کے لیے خوش خبریاں اور مال میں منافع کثیر ہیں۔

جس طرح ادا کرنے والے کے لیے انعامات اور بہترین بشارتیں ہیں اسی طرح ادا نہ کرنے والوں کے لیے بھی اس سے زبردست اور بھیانک وعیدیں ہیں۔

زکات نہ دینے پر وعیدیں :۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۬ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝۹" (3) ترجمہ: ہرگز بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کردو، اور جو کچھ خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

حضرت اسما رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”راہ خدا میں خرچ کرنے سے مت رکو ورنہ اللہ تعالیٰ تجھ سے رزق روک لے گا، استطاعت کے

---

(1) سنن ابن ماجہ: ص: 75 باب فرض الجمعة

(2) پ ۲۲ سورہ سبا

(3) پ ۴ سورہ آل عمران

مطابق عطا کرو! (1) یہ سب تو دنیوی عذاب ہے، اصل عذاب تو اخروی ہے، جس کے سبب کا ارتکاب دنیا میں کیا جاتا ہے۔

مال ہونے کے باوجود جو شخص زکات ادا نہیں کرتا اگر چہ وہ نماز و روزہ کا پابند ہو لیکن اس کی بنا پر اسے قیامت کے دن ذلت اٹھانی پڑے گی، اور وہی مال اس کے لیے باعث ہلاکت (سختی) بنے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: " وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۴﴾ یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ " (2) ترجمہ: جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو! جس دن آتش جہنم میں وہ تپائے جائیں گے (یعنی اس کے جمع کردہ مال کو جہنم کی آگ میں ڈال کر گرم کیا جائے گا) اور ان سے ان کی پیشانیاں، کروٹیں اور پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہ ہے جو تم نے اپنے نفس کے لیے جمع کیا تھا تو اب چکھو جو جمع کرتے تھے۔

یعنی اسی کے جمع کیے ہوئے مال سے اس کو سزا دی جائے گی، اگر مال جمع کرنے والا ایسے عذاب سے چھٹکارا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرے چاہے سونا چاندی ہو یا جانور یا روپیہ پیسہ وغیرہ، اس لیے کہ جانور وغیرہ بھی قیامت کے دن پیش کیے جائیں گے، اور اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

ایک اس کی طرف داری میں، اور وہ اس کا صدقہ کیا ہوا مال ہوگا، دوسرا عذاب کے طور پر اس پر مسلط کیا جائے گا، اور وہ ایسا مال ہوگا جس کو اس نے جمع کر کے روک رکھا تھا۔

---

(1) صحیح بخاری جلد اول: ص: ۱۹۳ کتاب الزکات

(2) پ ۱۰ سورہ توبہ

اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ’’قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جس کسی کے پاس اونٹ، گائے یا بکریاں ہوں اور ان کا حق ادا نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن وہ جانور اور زیادہ فربہ (موٹا) کرکے لائے جائیں گے اور مالک کو اپنے کھروں سے روندیں گے اور سینگوں سے ماریں گے، جب پچھلی جماعت بڑھ جائے گی تو پہلی والی آئے گی لگا تار ایسا ہی ہوتا رہے گا یہاں تک کہ بندوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ (1)

پچھلی اور اگلی جماعت سے مراد اس کے وہ جانور جو آگے چلے گئے پھر دوبارہ واپس آئیں گے یعنی ایک کے بعد دوسرا اور اسی طرح ہوتا رہے گا۔ فیصلہ سے مراد جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم میں۔

دوسری جگہ آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں: ’’يَكُوْنُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يَطْلُبُهُ حَتّٰى يُلْقِمَهُ أَصَابِعَهُ‘‘ (2) ترجمہ: تم میں سے ہر ایک کا خزانہ قیامت کے دن گنجا سانپ ہوگا جس سے اس کا مالک بھاگے گا اور وہ اسے ڈھونڈے گا حتی کہ اس کی انگلیوں کو لقمہ بنا لے گا۔

اور آگے ارشاد فرماتے ہیں: ’’مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكَاةَ مَالِهِ إِلَّا جَعَلَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ "وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ‘‘ (3) ترجمہ: ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے مال کی زکات نہ دے مگر اللہ قیامت کے دن اس کے گلے میں اسے سانپ بنا کر ڈالے گا، پھر آپ نے ہمارے سامنے اس کی دلیل میں قرآن شریف سے یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ ہے۔ ’’جو لوگ اللہ کے دیے مال میں بخل کرتے ہیں

(1) مشکاۃ المصابیح ص:۱۵۶

(2) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۵۷

(3) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۵۷

وہ اسے اپنے لیے بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ ان کے لیے مصیبت ہے، عنقریب قیامت کے دن انھیں طوق پہنایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والا ابلیس کا قریبی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مکاشفۃ القلوب میں اس تعلق سے ایک حکایت بیان کرتے ہیں۔

حکایت :۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ابلیس سے ملاقات ہوئی آپ نے پوچھا تجھے کون آدمی پسند ہے اور کون ناپسند ؟ ابلیس نے کہا مجھے مومن بخیل پسند ہے مگر گنہگار سخی پسند نہیں، آپ نے پوچھا یہ کیوں ؟ ابلیس نے کہا اس لیے کہ بخیل کو تو اس کا بخل ہی لے ڈوبے گا مگر فاسق سخی کے متعلق مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کی سخاوت کے باعث معاف نہ فرمادے۔

پھر ابلیس جاتے ہوئے کہتا گیا کہ اگر آپ پیغمبر نہ ہوتے تو میں (یہ راز کی باتیں) کبھی نہ بتلاتا۔[1]

نیز اسی تعلق سے ایک شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ع۔

لَئِیۡمٌ لَایَزَالُ یَلُمُّ وَفْراً   لِوَارِثِہٖ وَیَدْفَعُ عَنْ حِمَاہُ

کَکَلْبِ الصَّیْدِ یُمْسِكُ وَهُوَطَاوٍ   فَرِیْسَتُہٗ لِیَأْکُلَہٗ سِوَاہُ[2]

ترجمہ: بخیل ہمیشہ اپنے وارثوں کے لیے مال اکٹھا کرتا ہے اور اس کی حفاظت کرتا ہے، شکاری کتے کی طرح ہے جو بھوکا ہونے کے باوجود شکار کی حفاظت کرتا ہے تاکہ اسے دوسرا کھائے۔

اس لیے مسلمانوں کو آگاہ ہونے کی ضرورت ہے کیوں کہ مال فانی ہے خرچ کرنے میں ہی اس کی بقا ہے اور آخرت میں اس کے لیے ذریعۂ نجات ہے۔

---

(1) مکاشفۃ القلوب ص: ۱۸۸
(2) مکاشفۃ القلوب ص: ۱۸۸

انسان کا مال وہی ہے جو اس نے کھا کر ختم کر دیا، پہن کر پرانا کر دیا اور راہ خدا میں خرچ کر کے آخرت کے واسطے جمع کر لیا، رہا باقی تو مرنے کے بعد اس کے وارثین اس سے فائدہ اٹھائیں گے، اس کے حصہ میں کچھ بھی نہ ہو گا۔

روزہ کا بیان

بندۂ مومن کی امیدیں ہمیشہ رحمت خداوندی کی طرف لگی رہتی ہیں، خصوصًا رمضان شریف کے مہینے کا ان کو شدت سے انتظار رہتا ہے، کیوں کہ اس میں ایک ایک نیکی کا ثواب کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور بخشش و مغفرت کے بے شمار مواقع ہوتے ہیں، لطف وکرم، فضل وعطا اور رحمت ومہربانی کا عام دروازہ کھل جاتا ہے، اسی میں خاص طور پر لیلۃ القدر رہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۳" (1) ترجمہ: قدر کی رات (شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: "إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَنَادَىٰ مُنَادٍ يَابَاغِيَ الْخَيْرِ هَلُمَّ وَيَابَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ" (2) ترجمہ: جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں، شیطانوں کو بیڑیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے اور ایک پکارنے والا پکار کر کہتا ہے "اے خیر تلاش کرنے والے آجا، اور گناہوں میں مصروف رہنے والے برائی سے رک جا" !

اللہ تعالیٰ کے انعامات زیادہ تر رمضان میں نازل ہوتے ہیں، اور یہ صرف روزہ دار کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ غیر روزہ داروں کو بھی ملتا ہے، اگر چہ چند ساعت کے لیے ہی ہو، اور مومن کو اس کا نفع ہمیشہ ہمیش پہنچتا رہتا ہے۔

---

(1) پ ۳۰ سورہ قدر

(2) ترمذی شریف جلد اول: ص ۸۶

انسان اگر غور کرے تو فیصلہ ہو جائے گا کہ لوگ رمضان کے علاوہ دوسرے ایام میں ایسا انتظام نہیں کرپاتے جیسا کہ رمضان میں افطار کے وقت موجود رہتا ہے، اور اگر انتظام کر بھی لیں تو وہ مزہ اور کیف و سرور نہیں ملتا جو رمضان کے پر بہار دنوں میں ہے، اس لیے کہ ان دنوں بندوں پر اللہ کی رحمتیں خاص طور پر متوجہ ہوتی ہیں، خصوصا روزہ دار کے لیے اور ان پر اس وقت (افطار) خاص انعام کا نزول ہوتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ إِفْطَارِهِ وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ''(1) ترجمہ: روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی افطار کے وقت اور دوسری خوشی اپنے رب سے ملاقات کے وقت۔

اس حدیث سے مزید ایک اور بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ روزہ دار کے لیے بڑے انعاموں میں سے یہ بھی ہے کہ اسے ''لِقَاءَ اللّٰہِ'' یعنی اپنے رب کی ملاقات حاصل ہوگی، جس کے خواہش مند صرف انسان و جنات ہی نہیں بلکہ ہر مخلوق خدا یہاں تک کہ جماعت انبیا و رُسُل اور فرشتے بھی ہیں، اور یہ روزہ داروں کے لیے خاص انعام ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: '' اگر بندوں کو معلوم ہوتا کہ رمضان کیا چیز ہے تو میری امت تمنا کرتی کہ پورا سال رمضان ہی ہو''(2)

روزہ :۔ رمضان کے روزے بھی نماز کی طرح فرض عین ہیں۔ اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر اور بلا عذر چھوڑنے والا سخت گنہگار ہوگا۔

صوم کا معنی رکنا ہے۔ اور شریعت میں عبادت خدا کی نیت سے خود کو صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک قصداً کھانے، پینے اور جماع کرنے سے روکے رکھنے کا نام روزہ ہے۔

روزہ کی نیت ضحوۂ کبریٰ (سورج کا بالکل بیچ آسمان میں ہونا) شروع ہونے سے پہلے

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۷۳

(2) صحیح ابن خزیمہ جلد ۳ ص: ۱۹۰ بحوالہ بہار شریعت ۹۶۵

ہونی چاہیے۔

سحری کھانا بھی نیت ہے خواہ رمضان یا کسی اور روزہ کے لیے ہو۔رمضان کے ہر روزے کے لیے نئی نیت کا ہونا ضروری ہے۔ (1)

کھانے، پینے اور جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، سکریٹ حقہ وغیرہ پینے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، اگر چہ اپنے خیال میں حلق تک دھواں نہ پہنچا ہو،بلکہ پان یا صرف تمباکو کھانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، اگرچہ پیک تھوک دی ہو کہ اس کے باریک اجزا ضرور حلق میں پہنچتے ہیں۔ کلی کر رہا تھا قصداً پانی حلق سے اتر گیا یا ناک میں پانی چڑھایا اور دماغ کو چڑھ گیا تو وروزہ ٹوٹ گیا۔

سونے میں پانی پی لیا، یا کچھ کھالیا، یا منھ کھولا تھا اور پانی کا قطرہ یا اولا حلق میں چلا گیا، یا منھ میں رنگین ڈورا (دھاگہ) رکھا جس سے تھوک رنگین ہو گیا پھر تھوک نگل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (2) اور اگر بھول کر کھایا، پیا یا جماع کیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا، اگر درمیان میں یاد آجائے، اور تھوک دے تو روزہ فاسد نہیں ہو گا، اور نہیں تھوکا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

اور کسی روزہ دار کو ان افعال میں (کھاتے، پیتے) دیکھے تو یاد دلانا واجب ہے مگر جبکہ وہ کمزور ہو۔(3)

سحری کرنا سنت ہے، اور ہمارے روزہ اور دوسری قوموں یعنی حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی قوم کے روزہ میں یہی فرق ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"فَصْلُ مَابَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتٰبِ أَكْلَةُ السَّحَرِ" (4) ترجمہ: ہمارے اور اہل کتاب (عیسائی اور یہودی) کے روزے کے درمیان

---

(1) بہار شریعت حصہ ۵ ص/ ۱۶۹

(2) بہار شریعت حصہ ۵ ص ۹۸۷/۹۸۶

(3) بہار شریعت حصہ ۵ ص: ۹۸۱

(4) مشکاۃ المصابیح ص ۱۷۵

صرف سحری کھانے کا فرق ہے۔

یعنی عیسائی اور یہودی روزہ رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کھاتے۔

سحری کھانے میں بہت سارے فائدے ہیں ، چنانچہ آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: ” تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِیْ السُّحُوْرِ بَرَکَۃً“ (1) ترجمہ: سحری کھاؤ کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

سحری کھانا واجب یا فرض نہیں بلکہ سنت ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ سحری کریں اگرچہ ایک چلو پانی سے ہی کیوں نہ ہو۔ اور افطار کا بھی وہی حکم ہے۔

سحر اور افطار میں وہ چیزیں کھائیں جو زیادہ تقویت دینے والی ہوں ، اسی لیے آقا علیہ الصلوۃ والسلام دونوں میں کھجور کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”نِعْمَ سُحُوْرِ الْمُؤْمِنِ اَلتَّمَرُ “ (2) ترجمہ: بندۂ مومن کی کھجور سے سحری کیا ہی اچھی سحری ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: ”کَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ یَّصَلِّیَ عَلٰی رَطَبَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَکُنْ رَطَبَاتٌ فَتَمِیْرَاتٍ فَإِنْ لَمْ تَکُنْ تَمِیْرَاتٌ حَسَاحَسَوَاتٍ مِنْ مَاءٍ“ (3) ترجمہ: نبی کریم ﷺ نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے روزہ افطار کیا کرتے تھے ،اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو چھوہاروں سے ، اگر چھوہارے بھی نہ ہوتے تو چند گھونٹ پانی نوش فرمالیتے۔

سحری میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنا سنت ہے۔

رمضان کی فضیلت :۔ رمضان شریف کے فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس مہینے کی تعریف کی۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں: ” یہ مہینہ آیا اس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص ۱۷۵
(2) مشکاۃ المصابیح ص:۱۷۶
(3) مشکاۃ المصابیح ص ۱۷۵

اس سے محروم رہا وہ ہر چیز سے محروم رہا، اور اس کی خیر سے وہی محروم ہوگا جو پورا محروم ہے"۔[1]

اور جس کی تعریف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے ہو تو یہ (تعریف) اس شَے کے انتہائی اہم ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری فضیلت یہ ہے کہ قرآن مجید اسی مہینے میں نازل ہوا۔

ارشاد خداوندی ہے:" شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ج"[2]

اس کی فضیلت میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے تین عشروں (دس) میں سے پہلے عشرے میں خدا کی خاص رحمت نازل ہوتی ہے، دوسرے عشرے میں بندوں کے لیے (خدا کی جانب سے) خاص مغفرت، اور تیسرے یعنی آخری عشرے میں مومن بندہ کے لیے جہنم سے چھٹکارے کا پروانہ جاری کیا جاتا ہے۔

اس مہینہ میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو قید کر دیا جاتا ہے۔

سوال :۔اب ایک سوال ابھرتا ہے کہ جب شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے تو پھر آدمی نماز و روزے سے کیوں بھاگتا ہے ؟ یہ بھاگنا شیطان کی آزادی پر مکمل دلالت کرتا ہے۔

جواب:۔ گناہ پر ابھارنے اور آمادہ کرنے والے اسباب میں سے ایک نفس امارہ بھی ہے جو کہ شیطان کے علاوہ ایک دوسری چیز ہے اور شیطان کا اہم ہتھیار ہے، شیطان کے قید ہونے کے بعد بھی نفس امارہ یعنی برائی کا حکم دینے والا ضمیر اپنا کام بدستور جاری رکھتا ہے اور اس طرح آدمی گناہوں میں ملوث رہتا ہے۔

---

(1) سنن ابن ماجہ ص:۱۱۹

(2) پ ۲ سورہ بقرہ

کچھ تو خباثت باطنی کی بنیاد پر نیکیوں سے دور رہتے ہیں یعنی ان کی سرشت (فطرت) اور خو میں ہی خدا کی نافرمانی ہوتی ہے، اور انھیں اسی میں زندگی کی لذت حاصل ہوتی ہے۔

حالاں کہ اصل زندگی یہ نہیں، بلکہ اصل تو اسلامی زندگی ہے جو دونوں جہاں میں کامیابی کی دلیل ہے۔

شیطان سے بڑھ کر انسان کا دشمن اس کا نفس ہے، ہمیں اس سے ہمیشہ ہوشیار رہنا ہوگا. کیوں کہ یہ گھر کا چور ہے جو ہمیں ناکام کرنے میں لگا ہوا ہے، ایک سیکنڈ بھی چین سے نہیں رہتا اور ہم کو ہمیشہ گناہ پر ابھارتا رہتا ہے۔

رمضان کے مہینہ میں گنہگاروں کے گناہ میں تخفیف کی جاتی ہے (ان کے گناہوں میں کمی کی جاتی ہے) اور اگر کوئی شخص اس مہینے میں نیک عمل کرے گا تو اسے دس گنا سے سات سو گنا اجر و ثواب ملے گا۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے رمضان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا، جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شعبان کے آخری دن ہم میں وعظ فرمایا: "اے لوگو! تم پر عظمت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے یہ مہینہ برکت والا ہے جس کی ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، وہ یہی مہینہ ہے جس کے روزے اللہ نے فرض کیے، جو اس ماہ میں نفلی بھلائی سے قرب الٰہی حاصل کرے تو گویا اس نے دوسرے مہینہ میں فرض ادا کیا، جو اس ماہ میں ایک فرض ادا کرے تو ایسا ہوگا جیسے دوسرے مہینے میں اس نے ستر فرض ادا کیے، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، یہ غربا کی غم خواری کا مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے، جو اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی بخشش ہو جائے گی، جہنم سے آزادی کا پروانہ نصیب ہوگا، اور اسے روزہ دار کا ثواب ملے گا، اس کے بغیر کہ روزہ دار کے ثواب میں کچھ کمی ہو، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کی استطاعت نہیں کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ، کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے افطار کرائے، اللہ یہ ثواب اسے دے گا، اور جو روزہ دار کو سیر کرے اللہ اسے میرے حوض سے ایسا پانی پلائے گا کہ وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا حتی کہ جنت میں داخل ہو جائے، یہ وہ مہینہ ہے جس کے پہلے عشرے میں رحمت، درمیانی عشرے میں بخشش اور آخری عشرے میں جنت سے آزادی کی بشارت ہے، اور جو اس مہینہ میں اپنے غلام پر تخفیف کرے تو اللہ اسے بخش دے گا، اور آگ سے آزاد کر دے گا"۔(1)

دور حاضر میں غلام تو نہیں پائے جاتے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے مزدور پر تخفیف کرے، اس کی مکمل مزدوری ادا کرے اور اس کی ضرورت پوری کرے تو ان شاء اللہ وہ بھی اجر عظیم کا مستحق ہو گا۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ماہ رمضان کے لیے جنت شروع سال سے آخر سال تک سنواری جاتی ہے، فرمایا جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے پتوں سے خوب صورت ترین آنکھوں والی حوروں پر ایک خوشگوار ہوا چلتی ہے، تو حوریں عرض کرتی ہیں یارب اپنے بندوں کو ہمارا خاوند بنا، ان سے ہماری آنکھیں اور ہم سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں"۔(2) رمضان کی فضیلت میں اور بہت ساری آیات اور احادیث مذکور ہیں۔

روزہ کی فضیلت:۔ رمضان کی طرح روزے کی بھی بہت سی فضیلتیں وارد ہیں کہ ہر ایک کو ذکر کرنا ہمارے لیے کافی دشوار کام ہے۔

چنانچہ سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اس کا بدلہ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "كُلُّ عَمَلِ إبْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةَ بِعَشَرِ أمْثَالِهَا

(1) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۷۳

(2) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۷۴

إلٰى سَبْعِ مِأَةِ ضُعْفٍ، قَالَ اللهُ تَعَالىٰ إلَّا الصِّيَامَ فَإنَّهُ لِيْ وَأنَا أجْزِيْ بِهٖ“ (1) ترجمہ: اولادِ آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے سوائے روزہ کے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے” بے شک وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: ”اَلصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ“ (2) ترجمہ: روزہ صبر کا نصف (آدھا) ہے۔ اور فرمایا:”اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ“ (3) ترجمہ: صبر ایمان کا نصف (آدھا) ہے۔اور اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:” اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۱۰“ (4) ترجمہ: صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ یعنی اتنا دے گا کہ بندے کا تصور اس تک پہنچنا محال ہے۔

اس کی خاص فضیلت یہ بھی ہے کہ روزہ دار پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا، اس لیے کہ شیطان شکم سیر اور بد حواس انسان پر زیادہ قابو پاتا ہے کیوں کہ اس کو کسی چیز کا غم و خوف نہیں ہوتا، روزہ دار کا پیٹ خالی رہتا ہے، اس کا ذہن مکمل ہوش و حواس کے ساتھ مالک حقیقی کی طرف لگا رہتا ہے، اس لیے شیطان اس پر حاوی نہیں ہو پاتا۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ”إنَّ الشَّیْطَانَ لَیَجْرِیْ مِنْ إبْنِ آدَمَ مَجْرَی الدَّمِ“(5) ترجمہ: بے شک شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:” دَاوِمِیْ قَرْعَ بَابِ الْجَنَّةِ“ جنت کا دروازہ کھٹکھٹاتی رہو! انھوں نے عرض کیا: کس کے ساتھ ؟ آپ نے فرمایا:

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۷۳

(2) سنن ابن ماجہ ص: ۱۲۵

(3) مسند امام احمد بن حنبل جلد چہارم ص ۱۲۶: بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص ۵۷۴

(4) پ ۲۳ ۲ سورہ زمر

(5) صحیح بخاری جلد اول: ص: ۲۷۳: بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص ۲۷۳

بھوک کے ساتھ۔(1)

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”روزہ خاص طور پر شیطان کی جڑ کاٹنے والا، اس کے راستوں کو بند اور تنگ کرنے والا ہے، تو روزہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نسبت کا مستحق ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیخ کنی اللہ تعالیٰ کی مدد ہے“۔

اور مدد گار کے حق میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ”اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝“(2) ترجمہ: اگر اللہ کے (دین) کی مدد کرو تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا۔ یہی ثابت قدمی ایک بندۂ مومن کی آرزو ہے جو روزہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر شے کی زکات ہے اور بدن کی زکات روزہ ہے۔(3)

جس طرح نماز کو عبادتوں کی جڑ کہا گیا ہے، اسی طرح روزہ کو بھی عبادتوں کا دروازہ کہا گیا ہے۔ آقا علیہ السلام والتسلیم نے فرمایا: ”لِكُلِّ شَيْءٍ بَابٌ وَبَابُ الْعِبَادَةِ الصَّوْمُ“(4) ترجمہ: ہر چیز کا ایک دروازہ ہے اور عبادت کا دروازہ روزہ ہے۔

روزہ دار کی فضیلت:۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ يَقُوْلُ اللهُ تَعَالىٰ عَزَّوَجَلَّ يَذَرُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ لِأَجَلِيْ فَالصَّوْمُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ“(5) ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یقینا روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ شخص اپنی خواہش، کھانے اور پینے کو میری وجہ سے چھوڑتا

(1) احیاء العلوم جلد اول: ص: ۵۷۷
(2) پ۲۶ سورہ محمد
(3) سنن ابن ماجہ: ص:۱۲۵
(4) کنز العمال جلد ۸ :ص:۴۴۸ بحوالہ احیاء لعلوم جلد اول: ص:۵۷۵
(5) مشکاۃ المصابیح ص : ۱۷۳

ہے تو روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ" (1) ترجمہ: جو ایمان اور اخلاص سے روزے رکھے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

روزہ دار ہمیشہ پر سکون اور مطمئن رہتا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسے کھانے پینے کا غم بہت کم ہوتا ہے، اور جس کا ایسا معاملہ ہو وہ اپنا اکثر وقت یاد الٰہی میں گزارتا ہے، اسی لیے اس کا دل نہایت اطمینان کے ساتھ ہر کام انجام دینے میں اپنے مالک کے حضور موجود رہتا ہے۔

انسان اپنی زندگی میں ذکر خدا کو زیادہ ترجیح دے، تو وہ کبھی پریشان حال نہ ہو گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ۲۸" (2) ترجمہ: جان لو اللہ کے ذکر سے دلوں کو چین ملتا ہے۔ کیوں کہ حالت روزہ میں ذکر خدا کی طرف دل زیادہ مائل ہوتا ہے، نیز اس حالت میں اجر بھی زیادہ ہے۔ جیسا کہ اوپر حدیث میں بیان گزر چکا ہے۔

روزہ دار کی فضیلت بھی روزہ اور ماہ رمضان کی طرح بے شمار ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "إِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُوْنَ" (3) ترجمہ: جنت میں ایک ریان نامی (سیراں کا دروازہ) دروازہ ہے، اس میں صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔

یہ تو جنت میں جگہ ملنے کی بات تھی۔ آگے آقا علیہ السلام دوزخ کی دوری کے بارے میں فرماتے ہیں: " جو بندہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے منہ کو

---

(1) سنن ابن ماجہ ص:۱۱۸

(2) پ ۱۳ سورہ رعد ع ۱۰

(3) صحیح بخاری جلد اول: ص ۲۵۴

دوزخ سے ستر برس کی راہ دور فرمادے گا"۔(1)

امام ترمذی نے مزید بیان کیا ہے کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان اللہ تعالیٰ اتنا بڑا غلاف کردے گا جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے یہ بھی فرمایا: "تین لوگوں کی دعا رد نہیں کی جاتی ان میں سے ایک روزہ دار بھی ہے"۔(2)

روزہ دار صرف اپنے معاشرے ہی میں مقبول نہیں ہوتا، بلکہ اس کا کام اتنا عظیم ہوتا ہے، کہ خدائے پاک اس کو اپنا مقرب بندہ بنالیتا ہے، اور فرشتوں کو اس کے بارے میں بتاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "أُنْظُرُوا يَا مَلَائِكَتِيْ إِلٰى عَبْدِيْ تَرَكَ شَهْوَتَهٗ وَلَذَّتَهٗ وَطَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ مِنْ أَجَلِيْ "(3) ترجمہ: اے میرے فرشتو! میرے بندے کی طرف دیکھو اس نے اپنی شہوت، لذت، کھانے اور پینے کو میری رضا کی خاطر چھوڑ دیا ہے۔

روزہ دار کا یہ عمل خدا کے نزدیک بہت ہی پسندیدہ ہے اس لیے اس نے دیگر اعمال پر جنت اور طرح طرح کے انعامات وغیرہ دینے کا وعدہ کیا ہے لیکن روزہ دار سے اس کے روزہ کے عوض خود سپردگی کا وعدہ لیا (جو چاہے لے) یعنی " أَنَا أَجْزِيْ بِهٖ "میں ہی اس کا بدلہ ہوجاؤں گا، فرمایا۔

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان جو دوسرے اعمال بجالاتا ہے، وہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہوجاتا ہے، لیکن روزہ ایسا ہے کہ روزہ دار اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر ظاہر نہیں ہوتا، وہ اس لیے کہ بندہ روزہ رکھ کر کبھی تنہائی، کبھی جم غفیر میں جاتا ہے، کبھی اس کے سامنے کھانا

(1) صحیح مسلم کتاب الصوم ص ۳٦
(2) سنن ابن ماجہ ص ۳۴۹
(3) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۲۷۷ احیاء العلوم جلد اول: ص ٥٧٦

رکھار ہتا ہے تو کبھی لوگ اس کے سامنے کھانا کھاتے رہتے ہیں، اگر چاہے تو کھا لے اور دوسرے پر ظاہر ہونے نہ دے، اس پر کوئی طعن و تشنیع کرنے والا نہیں ہو گا، لیکن بندہ صرف خدا کا خوف کر کے اپنی شہوتوں، کھانے پینے کو چھوڑ دیتا ہے، اور اس سے اس کا مقصد فقط رضائے الٰہی ہوتا ہے۔

شب قدر:۔ رمضان شریف میں یوں تو بندے کے لیے رب قدیر کی جانب سے بڑے بڑے انعامات، نوازشیں اور عظیم نعمتیں ہیں جن میں سب سے بڑا انعام لیلۃ القدر ہے، جو ہزار ماہ سے بہتر ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بنی اسرائیل کے ایک ایسے شخص کا تذکرہ کیا گیا، جس نے ہزار ماہ راہ خدا میں اپنے کندھے پر ہتھیار اٹھائے تھے، حضور ﷺ نے اس پر اظہار تعجب فرمایا اور اپنی امت کے لیے ایسی ہی نیکی کی تمنا فرمائی، اور کہا اے رب! تو نے میری امت کو سب امتوں سے کم عمر والی بنایا اور اعمال میں سب امتوں سے کم کیا ہے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمایا، جو ہزار مہینوں کی عبادتوں سے افضل ہے، جتنی مدت بنی اسرائیل کے اس آدمی نے راہ خدا میں ہتھیار اٹھائے تھے آپ اور آپ کی امت کو اس طویل مدت کے مقابلہ میں ایک رات بخشی، اور یہ نعمت اس امت کا خاصہ ہے۔

یعنی ایسا انعام اس سے پہلے کسی نبی کی امت کو نہیں دیا گیا، حالاں کہ ان کی عمر کافی دراز ہوتی تھی۔

اس رات عبادت میں مشغول ہر شخص کو ہر گناہ سے پاک کر دیا جاتا ہے، اور بلند درجات عطا کیے جاتے ہیں، نیز ان کی مغفرت اور گناہوں کی بخشش کے لیے فرشتے اور دیگر مخلوق خدا بھی رب کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے

فرمایا: جب لیلۃ القدر آتی ہے تو جبریل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور ہر اس بندے پر رحمت بھیجتے ہیں اور بخشش کی دعا کرتے ہیں جو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول و مصروف ہوتا ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا: وہ ضعیف مرد و عورت کیا کریں جو قیام پر قدرت نہیں رکھتے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ ٹیک نہیں لگا سکتے جو اس رات کا کچھ لمحہ بیٹھ کر گزاریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر کمزوری اور مجبوری بھی پیچھا نہیں چھوڑے تو بھی کسی حالت میں اس رات کی عبادت کو نہ چھوڑو، کیوں کہ پتہ نہیں کہ یہ ساعت کبھی نصیب ہو یا نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک حدیث سے مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس رات نیک عمل کرنے والے کی ہر طلب پوری کی جاتی ہے اور اس پر خدا کی خاص رحمت ہوتی ہے۔

چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: ”جس نے لیلۃ القدر بیدار ہو کر گزاری، اس میں دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کی تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اپنی رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا اور جبرئیل علیہ السلام اس پر اپنا پر پھیریں گے، اور جس پر جبرئیل اپنا پر پھیریں تو وہ جنت میں داخل ہوا۔[1]

آج ہمارے معاشرے کا ماحول یہ ہے کہ شب قدر ہو یا شب برأت؛ اس کا (شب قدر، برات) نام جاگنے والی رات رکھتے ہیں، رات بھر جاگ تو لیتے ہیں یعنی وہ کسی طرح رات جاگ کر گزارنا ہی اپنے اوپر لازم سمجھتے ہیں تاکہ لوگ برا بھلا نہ کہیں، ایسے لوگ نہ تو عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی نیند ہی لیتے ہیں کہ صبح اٹھ کر فجر کی نماز پڑھ لیں، اور کچھ بھولے بھالے مسلمان کثرت سے نفل نماز بھی پڑھتے ہیں، تسبیح و تہلیل میں مشغول بھی ہوتے ہیں لیکن نماز

---

(1) مکاشفۃ القلوب ص ۵۴۵

فجر سے پہلے سوجاتے ہیں۔

ایسی عبادت کسی لائق نہیں جس میں فرض کا خیال چھوڑ دیا گیا ہو، رات کے جاگنے سے بہتر تھا کہ سو جاتے اور صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کرتے، حالاں کہ رات میں جاگ کر عبادت بجالانا مستحب تھا اور فجر کی نماز فرض، مگر افسوس ہمارے معاشرے پر! سالانہ مستحب کی خاطر روزانہ کا فرض فراموش کر دیتے ہیں۔

سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس رات میانہ روی اختیار کرے، یعنی اتنا عمل کرے کہ صبح نماز ادا کرلے؛ قضا نہ ہونے پائے۔ اگر رات بھر عبادت کی اور صبح کی نماز چھوڑ دی تو اس عبادت کا کوئی فائدہ نہیں۔

ذہن اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آخر شب قدر کا تعین جب نہیں کیا گیا تو شب بیداری اور انعامات کثیرہ کس شب میں تلاش کریں؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: " تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ الْوِتْرِ مِنْ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ "(1)

ترجمہ: شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق (بے جوڑ) راتوں میں ڈھونڈو!

دوسری جگہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: "سَمِعْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِلْتَمِسُوْهَا يَعْنِيْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ تِسْعٍ يَبْقِيْنَ أَوْفِيْ سَبْعٍ يَبْقِيْنَ أَوْ خَمْسٍ يَبْقِيْنَ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْأَخِرِ لَيْلَةٍ"(2) ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ یہ رات یعنی شب قدر تلاش کرو جب نو، سات، پانچ یا تین دن باقی رہے یا آخری رات میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اکیسویں ۲۱، تیسویں ۲۳، پچیسویں ۲۵، ستائیسویں ۲۷، اور انتیسویں ۲۹

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص:۱۸۱

(2) مشکاۃ المصابیح ص:۱۸۲

شب میں خدا کی کامل عبادت کریں، انھیں شبوں میں سے کسی میں لیلۃ القدر پوشیدہ اور مخفی ہے۔

اس میں فقہا کے بہت سے اقوال ہیں، سبھوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رمضان ہی کی کوئی رات ہے۔

امام ابو اسحاق رازی نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے جس سے لیلۃ القدر کی تعیین ہو جاتی ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر میں لفظ لیلۃ القدر کو تین مرتبہ بیان فرمایا ہے، ان کے کل حروف نو ۹ ہوتے ہیں اور جب نو کو تین میں ضرب دے دیا جائے تو حاصل ضرب ستائیس ہوگا، لہذا لیلۃ القدر رمضان کی ستائیسویں شب ہی ہے۔(1) واللہ اعلم بالصواب۔

البتہ کثیر اختلافات کی بنیاد پر احتیاط ضروری ہے اس لیے ہر انسان کو لیلۃ القدر پانے کے لیے آخری عشرے کی طاق راتوں میں عبادت الٰہی میں مصروف رہنا چاہیے۔

اعتکاف:۔ اعتکاف کا لغوی معنی ٹھہرنا ہے۔

شریعت میں عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ“(2) اور جب تم مسجد میں اعتکاف سے رہو۔

مردوں کے لیے مسجد میں معتکف ہونا ضروری ہے، اور اس میں کھانا پینا بھی جائز ہے۔(3)

اعتکاف کوئی نو ایجاد عبادت نہیں یا صرف امت محمدیہ ہی کو اس کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اگلی امتیں بھی اعتکاف کیا کرتی تھیں، اور معتکفین کی کفالت عوام کی جانب سے کی جاتی تھی، اور وہ (معتکف) صرف عبادت الٰہی کے لیے خاص ہوتے تھے، جیسے حضرت مریم علیہا السلام اور ان سے پہلے کے معتکف حضرات۔

---

(1) پ ۲ تفسیر احمدی ص: ۵۴

(2) پ ۲ سورہ بقرہ

(3) کنز الایمان ص ۴۴ فرید بک ڈپو

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے فرمایا تھا کہ: ''اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ (1) ترجمہ: میرا گھر خوب صاف کرو! طواف، اعتکاف، رکوع اور سجود والوں کے لیے۔

اس آیت سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف کا رواج ہر نبی کی امت میں تھا۔

امت محمدیہ پر اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے کہ اگر پوری بستی میں کوئی ایک معتکف ہو جائے تو سب کے لیے کافی ہے، اور اگر بستی کے کسی بھی فرد نے اعتکاف نہیں کیا تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔

اعتکاف سنت کی مدت رمضان شریف کے آخری عشرہ میں ہے، یعنی بیسویں رمضان کو سورج ڈوبنے کے وقت اعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہو، اگر مغرب بعد داخل ہوا تو سنت مؤکدہ ادا نہ ہوگی، اور انتیسویں ۲۹/ کو چاند ہونے کے بعد یا تیسویں ۳۰/ کو بعد نماز مغرب نکلے۔ (2)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں: '' كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشَرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ إِعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ ''(3) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ (دس دن) میں اعتکاف کیا کرتے تھے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وفات دی، پھر آپ کی بیویوں نے بھی اعتکاف کیا۔

عورت کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا مکروہ ہے، وہ اپنی نماز کی جگہ اعتکاف کرے گی اور اگر جگہ متعیّن نہ ہو تو کوئی جگہ متعیّن کر کے اعتکاف کر سکتی ہے۔ (4)

---

(1) پ۲ سورہ بقرہ

(2) بہار شریعت جلد اول: ص: ۱۰۲۱

(3) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۸۳

(4) بہار شریعت جلد اول: ص: ۱۰۲۱

اعتکاف کی قسمیں:۔ اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔ سنت موکدہ، واجب اور مستحب۔

(۱) سنت مؤکدہ:۔ رمضان شریف کے آخری عشرے کا اعتکاف۔

(۲) واجب:۔ اعتکاف کی نذر مانی تو اعتکاف واجب ہے۔

ان دونوں اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور نذر کے لیے زبان سے کہنا ضروری ہے۔

(۳) ان کے علاوہ مستحب ہے۔ اور اس میں روزہ شرط نہیں۔

نماز پڑھنے یا کسی اور عبادت کی غرض سے مسجد میں داخل ہو تو اعتکاف مستحب کی نیت کرلے، جب تک ٹھہرے گا ثواب ملتا رہے گا، اور رمضان میں اس کا ثواب بے شمار ہے۔

الغرض رمضان میں جتنا چاہے عمل کرے، کیوں کہ اس ماہ میں عبادت اور نیک کاموں کا ثواب بے حساب ملتا ہے۔

انتباہ:۔ آج ہمارے معاشرے میں لوگ بڑی احتیاط سے روزے تو رکھ لیتے ہیں لیکن نماز سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، لہٰذا ایسا روزہ کسی کام کا نہیں اگرچہ اس نہج پر پوری زندگی بسر کردے۔

دنیوی کام کے لیے روزہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہ چیز خصوصاً کسان حضرات کے اندر پائی جاتی ہے، حالاں کہ دنیوی کام کوئی عذر شرعی نہیں جس کے لیے روزہ چھوڑ دیا جائے، نیز ذریعۂ معاش اور کھیتی وغیرہ کرنا یہ عام بات ہے حالت روزہ میں بھی کرسکتے ہیں، اگر اس کی وجہ سے بندہ ترک کرتا ہے تو گنہگار ہوگا۔

آج کل مسجد کے احاطہ میں افطاری (کھانا پینا) کرنا عام ہوچکا ہے حالاں کہ مسئلہ یہ ہے کہ معتکف کے علاوہ کسی کو اس کی اجازت نہیں، اور اعتکاف کی نیت صرف کھانے، پینے اور سونے کے لیے نہ ہو، بلکہ کچھ دیر اللہ کا ذکر کرے پھر کوئی عمل انجام دیں۔

رمضان شریف میں جو لوگ مسجد میں افطاری کرتے ہیں، مسجد کے صدر اور اراکین کو چاہیے کہ انھیں منع کریں، یا نیت کی تلقین کریں، ورنہ سب کے سب گنہگار ہوں گے۔

افطاری بہت ہی برکت والا کھانا ہے جتنا چاہے کھا سکتا ہے، اس کے بارے میں کوئی حساب نہیں ہو گا۔

تلاوت قرآن :۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ اس میں اوامر و نواہی، اگلی امتوں کے واقعات وغیرہ، غرض کہ ہر ایک چیز کا ذکر ہے، چاہے وہ ماضی کے ہوں یا آئندہ کے ہوں لیکن ہمیں اتنا شعور نہیں کہ اس کے سارے اسرار و رموز کو جان سکیں، اگر کوئی شخص اتنا عمل کرے جتنا وہ سمجھتا ہے تو اس کے لیے بڑی کامیابی کی بات ہے۔

رسول کریم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے: ''مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ'' (1) ترجمہ: جو قرآن پڑھے اور اس کے احکام پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے اچھی ہو گی۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهُ فَأَحَلَّ حَلَالَهُ وَ حَرَّمَ حَرَامَهُ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ شَفَّعَهُ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ'' (2) ترجمہ: جو قرآن پڑھے اور اسے یاد رکھے اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا، اور ایسے دس آدمیوں کے متعلق اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جس کے لیے دوزخ واجب ہو چکی ہو۔

یہ بات تو پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کی ہے، لیکن قرآن کی فضیلت اتنی ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی تلاوت کرے، دیکھے یا صرف چوم ہی لے تو اس کا ثواب بے انتہا پائے گا۔ اس سے پتہ چلا کہ اس کا چھونا اور دیکھنا بھی عبادت ہے۔

اگر کوئی شخص قرآن سیکھ کر سکھائے تو اس کا ثواب اور زیادہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے

(1) مشکاۃ المصابیح ص:۱۸۶

(2) مشکاۃ المصابیح ص:۱۸۶

فرمایا: ”خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ“ (1) ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے۔

دوسری جگہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ تشریف لائے اور ہم صفہ میں تھے فرمایا: ”تم میں کون یہ چاہتا ہے کہ ہر صبح بطحان یا عقیق کی طرف نکل جایا کرے، بغیر گناہ کیے اور رشتہ توڑے دو اونٹنیاں لے آیا کرے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم سب! فرمایا: تو تم میں سے ہر شخص روزانہ صبح کو کیوں نہ مسجد چلا جایا کرے اور وہاں قرآن کی دو آیتیں سیکھ لیا کرے یا پڑھ لیا کرے یہ دو، چار چار اونٹنیوں اور اونٹوں سے بہتر ہیں“۔ (2)

قرآن اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرے گا۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ” ثَلٰثَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَلْقُرْآنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ لَهُ الخ:“ (3)
ترجمہ: قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی ان میں سے ایک قرآن ہے جو رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کی بخشش اور شفاعت کی خاطر خوب جھگڑے گا۔

حجۃ الاسلام علامہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "مکاشفۃ القلوب" میں اسی کے تحت حدیث نبوی ﷺ تحریر فرماتے ہیں: ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس قرآن مجید سے زیادہ مرتبہ والی کوئی کتاب شفیع نہیں ہے۔ اور فرمایا: ”میری امت کی بہترین عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے“۔ اور فرمایا: ”دل کا زنگ تلاوت قرآن سے ہی دور ہوتا ہے“۔ (4)

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۸۳
(2) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۸۳
(3) مشکاۃ المصابیح ص:۱۸۶
(4) مکاشفۃ القلوب ص: ۴۸۹

آقا علیہ الصلوۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں: " أَهْلُ الْقُرْآنِ أَهْلُ اللهِ وَ خَاصَّتُهُ "[1]
ترجمہ: قرآن کی تلاوت کرنے والے اللہ کے مقربین میں سے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جس گھر میں قرآن کی تلاوت کی جائے وہ اہل خانہ پر کشادہ ہو جاتا ہے، اس میں بھلائی زیادہ ہو جاتی ہے، (برکت ہوتی ہے) وہاں فرشتے آتے ہیں اور شیطان نکل جاتا ہے"۔[2]

جب گھر میں تلاوت کی جائے گی تو نہ شیطان اس میں آئے گا، نہ گھر والے کسی گناہ میں ملوث ہوں گے اور نہ ہی ان کو کوئی پریشانی لاحق ہوگی۔

جس گھر میں تلاوت نہیں ہوتی اس میں اس کا الٹا ہوتا ہے یعنی اہل خانہ مصائب و آلام میں گھرے رہتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُولُ الٓمٓ حَرْفٌ بَلْ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ"[3] ترجمہ: جس نے قرآن مجید سے ایک حرف پڑھا تو اس کے لیے اس کے (پڑھنے) بدلے دس نیکی ہے میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ الف الگ حرف لام اور میم الگ الگ حرف ہے۔

اور اگر کوئی "الٓمٓ" پڑھا تو اس کو تیس (۳۰) نیکی ملے گی کیوں کہ الف الگ حرف ہے، لام اور میم الگ الگ۔ اب ہمارے لیے اس سے بڑھ کر کیا انعام چاہیے، اور اگر اسی کو رمضان میں پڑھا تو دس گنا سے سات سو گنا تک ثواب ملے گا۔ قرآن شریف کو خوش آوازی اور مکمل توجہ کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ بہترین آواز سے مراد تیز اور چلا کر نہیں بلکہ حالات کے موافق آہستہ یا متوسط آواز میں تلاوت کرنا مراد ہے۔

---

(1) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۸۳۶ بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص ۶۸۷
(2) احیاء العلوم جلد اول: ص ۶۸۲
(3) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۸۶

آج ہمارے معاشرے میں قرآن خوانی کا رواج بہت ہے، یہ فی نفسہ بہت اچھی بات ہے، لیکن اس میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ ہر فرد تیز آواز میں تلاوت کرتا ہے جس سے " وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (1) ترجمہ: جب قرآن پڑھا جائے تو غور سے سنو اور چپ رہو) پر عمل نہیں ہو پاتا، اور عوام و خواص سب اس سے غافل ہیں، اس لیے کچھ لوگ اسی کو خوش الحانی سمجھتے ہیں کہ چند لوگ مل کر ایک ساتھ تیز آواز سے پڑھیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ چند لوگوں کا ایک ساتھ مل کر تیز آواز سے پڑھنا حرام ہے۔(2) اس لیے چاہیے کہ ہم ایسے وقت میں پست آواز سے تلاوت کریں، تاکہ دوسرے تک آواز نہ جائے، اور وہ بھی سماعت کے واجب ہوئے بغیر اطمینان کے ساتھ تلاوت کر سکے۔

قرآن پڑھنے میں خوش الحانی ضروری ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”حَسِّنُوْا الْقُرْاٰنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا“ (3) ترجمہ: قرآن کو اپنی آواز سے حسین بناؤ اس لیے کہ بہترین آواز قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔

اور آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: ”لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ“ (4) ترجمہ: جو شخص قرآن پاک کو خوش آوازی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ جب بھی قرآن پڑھیں تو پہلے ”أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“ پڑھ لیں؛ تاکہ شیطان اور اس کے اثرات دور ہوں اور مکمل خشوع حاصل ہو۔

تراویح :۔ تراویح مرد و عورت سب کے لیے بالاجماع سنت مؤکدہ ہے اس کا

---

(1) پ۹: سورہ اعراف
(2) بہار شریعت جلد ۳ ص ۳۱۰
(3) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۹۱
(4) مشکاۃ المصابیح ص: ۱۹۱

ترک جائز نہیں ۔اس پر خلفاے راشدین نے مداومت فرمائی(یعنی انھوں نے کبھی نہیں چھوڑا)اور خود حضور ﷺ نے بھی تراویح پڑھی اور اسے پسند فرمایا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے،آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:” جو رمضان میں قیام کرے ایمان کی وجہ سے اور ثواب طلب کرنے کے لیے تو اس کے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے ،پھر اس اندیشے سے کہ امت پر فرض نہ ہو جائے ترک بھی فرمائی "۔

بعد وفات نبوی ﷺ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ رمضان میں ایک رات مسجد تشریف لے گئے اور لوگوں کو متفرق طور پر نماز پڑھتے ہوئے پایا یعنی کوئی تنہا پڑھ رہا ہے، کسی کے ساتھ کچھ لوگ پڑھ رہے ہیں، تو فرمایا: میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دوں، سب کو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں تراویح قائم کرنے کا حکم دیا، پھر دوسرے دن تشریف لے گئے تو ملاحظہ فرمایا کہ سارے لوگ ایک امام کے پیچھے پڑھ رہے ہیں، تو فرمایا” نِعْمَتِ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ“[1] یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے ۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعتیں ہیں اور یہی احادیث سے بھی ثابت ہے۔[2]

(1) صحیح بخاری جلد اول:ص۲۶۹

(2) بہار شریعت ص۶۸۸

حج کا بیان

حج ارکان اسلام میں سے ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں سب سے پہلے اپنا گھر بنایا اور مومن بندوں کے لیے اسے امن والا قرار دیا۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے: " اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ۹۶﴾ "(1) ترجمہ: بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔(کعبہ مقدسہ)

آگے فرماتا ہے: " وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ "(2) جو شخص اس میں داخل ہوا وہ امن والا ہے۔

اور غنی پر جو استطاعت رکھتا ہو اس کی زیارت کو فرض کیا۔

ارشاد ربانی ہے: " وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ "(3) اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج ہے جب کہ بندہ اس تک پہونچنے کی طاقت رکھے۔

حج کی فضیلت :۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَمَا وَلَدَتْهُ أُمُّهُ "(4) ترجمہ: جس نے بیت اللہ شریف کا حج کیا اور اس میں نہ تو

(1) پ۴: سورہ آلِ عمران
(2) پ۴: سورہ آلِ عمران
(3) پ۴: سورہ آلِ عمران
(4) صحیح مسلم جلد اول: ص: ۴۳۶

کوئی بے حیائی کی اور نہ ہی کوئی گناہ کیا تو اس طرح پاک وصاف لوٹے گا جیسا کہ اس کی ماں نے ابھی اسے جنا ہو۔

حج کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ بندے کا رزق بڑھاتا ہے، اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور گناہوں سے ایسا صاف وستھرا کر دیتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

حج جس کو نصیب ہو وہ بہت ہی خوش قسمت ہے کیوں کہ یہ وہ نعمت ہے جو مال دار کے لیے خاص نہیں، بلکہ خدا جسے چاہے عطا کر دے، ہماری نظروں میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جو کروڑوں کے مالک ہیں اور حج کے لیے مکمل طور پر کوشاں بھی رہتے ہیں لیکن اذن الٰہی قسمت کی یاوری نہیں کرتا اور انھیں حرمین شریفین کی زیارت نصیب نہیں ہو پاتی۔ اس کے برعکس انتہائی غریب ونادار حج وزیارت جیسے شرف سے مشرف ہو جاتے ہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس کے مقدر میں یہ نعمت ہو وہی اسے پا سکتا ہے دوسرا کوئی نہیں۔

حضرت سیدنا ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام نے جب کعبہ معظمہ کو مکمل طور پر تیار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے خطاب فرمایا: ”اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۙ﴿۲۷﴾“ (1) ترجمہ: اے ابراہیم (علیہ السلام) آپ لوگوں میں حج کا اعلان کر دیجیے، وہ آپ کے پاس پیدل اور کمزور اونٹنیوں پر (سوار ہو کر) ہر دور دراز کے علاقوں سے آئیں گے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں میں حج کا اعلان کریں تو آپ نے پکارا: ”اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے تو تم اس کا حج کرو“۔ (2)

تفسیر خزائن العرفان میں مزید ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو حضرت ابراہیم علیہ

---

(1) پ ۱۷ سورہ حج

(2) احیاء العلوم جلد اول: ص: ۵۹۶

السلام نے ابو قبیس پہاڑ پر چڑھ کر دنیا کے لوگوں کو ندا کردی کہ اللہ کے گھر کا حج کرو! جن کے مقدر (قسمت) میں حج تھا انھوں نے آبا کی صلب اور ماؤں کے شکم سے جواب دیا "لَبَّیْكَ أَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ" (1)

یعنی جن کی روحوں نے "لبیک" کہا تو ضرور انھیں کو حج و زیارت نصیب ہوگا اور جس نے نہیں کہا تو وہ لاکھ کوشش کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے

آگے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ" (2) ترجمہ: تاکہ وہ اپنے منافع حاصل کریں۔

یہ اس رکن کی خاص فضیلت ہے جس میں دینی اور دنیوی دونوں فائدے ہیں اس طور پر کہ لوگ حج کے موسم میں آتے تھے اور ساتھ ساتھ تجارت بھی کرلیتے تھے۔

حاجی کی فضیلت:۔ نبی کریم ﷺ نے حاجی کے بارے میں فرمایا: "مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا فَمَاتَ أُجْرِیَ لَهُ أَجْرُ الْحَاجِّ الْمُعْتَمِرِ إِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَمَنْ مَاتَ فِیْ إِحْدَی الْحَرَمَیْنِ لَمْ یُعْرَضْ وَلَمْ یُحَاسَبْ وَقِیْلَ لَهُ أُدْخُلِ الْجَنَّةَ" (3) ترجمہ: جو شخص اپنے گھر سے حج یا عمرہ کے لیے نکلے اور مرجائے تو اسے قیامت تک حج و عمرہ کرنے والے کا اجر دیا جاتا رہے گا اور جو شخص حرمین طیبین (مکہ مدینہ) میں سے ایک میں انتقال کرجائے تو اسے نہ تو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا اور نہ ہی اس کا حساب ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہوجا۔

نیز نبی کریم ﷺ نے یہ دعا مانگی ہے، "أَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْحَاجِّ وَلِمَنْ إِسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ" (4) ترجمہ: اے اللہ! حج کرنے والے کو بخش دے، اور جس کے لیے حاجی بخشش کی

---

(1) تفسیر خزائن العرفان: ص: ۴۸۵
(2) پ ۱۷ سورہ حج
(3) شعب الایمان جلد ۳ ص ۴۸۴: بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص: ۵۹۷
(4) احیاء العلوم جلد اول: ص: ۵۹۹

دعامانگے اسے بھی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”حاجی اپنے گھروالوں میں سے چار سو کی شفاعت کرے گا اور گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیساکہ اسی وقت اس کی پیدائش ہوئی ہے۔“(1)

دل کی گہرائی سے سوچنے کی بات ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک نے ہمارے لیے حج میں کتنے منافع رکھے ہیں۔

حج نہ ادا کرنے پر وعیدیں: ۔ بہت ہی بدقسمت اور بدبخت ہیں وہ لوگ جو مال و دولت ہونے کے باوجود دنیاداری میں اس طرح مستغرق ہوجاتے ہیں کہ انھیں حج توکیا؟ اس کے بارے میں سوچنے کا بھی وقت نہیں ملتا، ایسے لوگوں کی سزا بہت ہی بری ہوگی۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے: ”مَنْ مَلِكَ زَادًاوَ رَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَاعَلَيْهِ أَنْ يَمُوْتَ يَهُوْدِيًّاأَوْنَصْرَانِيًّا “(2) ترجمہ: جو آدمی اللہ کے گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کیا تو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی یا عیسائی ہوکر مرے۔ اس طرح وعیدوں کی صراحت بہت دردناک عذاب اور خدائے تعالیٰ کے غضب کا اظہار کرتی ہے، قدرت کے باوجود ترک حج بہت ہی خطرناک ہے جسے تحریری شکل دینا ممکن نہیں۔

حج دین اسلام کا آخری رکن ہے اور مسلمان کا دین اسی پر مکمل ہے جیساکہ ارشاد ربانی ہے: ” اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًاؕ “(3) ترجمہ: آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی اور تمھارے لیے دین اسلام پسند کیا۔

---

(1) مسند بزاز جلد۸ ص۱۶۹: بحوالہ بہار شریعت جلد اول: ص:۱۰۳۲

(2) ترمذی شریف جلد اول: ص:۱۰۰

(3) پ۶ سورہ مائدہ

معلوم ہوا کہ (غنی) بندے کو کمال دین اس وقت تک حاصل نہیں ہو گا جب تک کہ وہ حج کی فرضیت سے بری الذمہ نہ ہو جائے۔

اس لیے مذکورہ آیت اور حدیث کے مطابق اس کو ادا کرنے کے بعد ہی کمال دین کو پائے گا اور اس کے چھوڑنے والے کو گمراہی کے لحاظ سے یہودیوں اور عیسائیوں کے زمرے میں شمار کیا جائے گا، اور یہ بات ایک مومن کے لیے جو اپنے گمان میں باعمل ہے بہت ہی بڑی ذلت اور نقصان و خسران کا باعث ہے۔

جس کسی کو خدا نے مال و دولت جیسی نعمت سے نوازا ہو تو اس کے لیے یہی ضروری ہے کہ اول وقت ہی میں حج کرنے کی کوشش کرے، تاکہ محرومی سے بچ جائے، کوشش کو پایہ تکمیل تک پہنچانا رب العزت کا کام ہے اور وہ دل کی کیفیت سے بخوبی واقف ہے، ضرور اپنا فضل خاص فرمائے گا۔

مقبول حج : ۔ انسان اپنے حج کے دوران زیادہ سے زیادہ خرچ کرے، اس کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَهُ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ فَقِیْلَ لَهُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَا بِرُّ الْحَجِّ فَقَالَ طَیِّبُ الْکَلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ" (1) ترجمہ: مقبول حج کا بدلہ فقط جنت ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حج کی مقبولیت کس چیز کے ساتھ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھی گفتگو اور کھانا کھلانے سے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک عمل میں گفتار و کردار کا بھی بڑا دخل ہے، لہٰذا حاجی باادب رہیں اور بہترین و عمدہ اخلاق سے خود کو آراستہ کریں۔ "وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط" (2) ترجمہ: اور غصہ کو پینے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے (زیادہ بہتر ہیں) اس آیت کریمہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے جھگڑا فساد وغیرہ کو چھوڑ دیں اور ذکر و اذکار کو زیادہ

---

(1) مجمع الزوائد جلد ۳ ص ۲۰۷ : بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص: ۶۵۸

(2) پ ۴ آل عمران

سے زیادہ ترجیح دیں۔

احکام حج :۔ حج پوری زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے اگر بندۂ مومن چند مرتبہ حج کرے تو ایک کے بعد سب نفلی حج شمار کیے جائیں گے۔

حج مسلمان آزاد پر فرض ہے جو کہ مکلف ہو اور زاد راہ پر استطاعت رکھتا ہو۔ زاد راہ سے مراد یہ ہے کہ اہل وعیال اور سفر کا خرچ ابتدائے سفر سے گھر واپس ہونے تک کامل موجود ہو۔

حج واجب ہونے کے لیے آٹھ شرطیں ہیں (۱) اسلام یعنی مال کے ساتھ ساتھ مسلمان ہو دونوں میں سے ایک بھی نہیں پایا گیا تو حج واجب نہیں (۲) علم ہونا، یعنی اتنا جاننے والا ہو کہ اسلام میں حج کا کیا مقام ہے؟ (۳) عاقل ہونا، پاگل پر حج واجب نہیں (۴) بالغ ہونا اگر نابالغ نے حج کیا تو نفلی حج ہو گا (۵) آزاد ہونا (۶) تندرست ہونا، تاکہ صحیح و سالم سارے ارکان کو ادا کر سکے (۷) سفر کے خرچ اور سواری پر قادر ہو، سفر کے خرچ سے مراد حاجت اصلیہ کے علاوہ آدمی کے پاس اتنا مال ہو کہ دونوں طرف سے سواری پر آنے جانے کے لیے کافی ہو (۸) وقت یعنی حج کے وقت کا موجود ہونا بھی ضروری ہے، اگر اس سے پہلے احرام باندھ لیا تو مکروہ ہو گا۔

نوٹ:۔ حج کا وقت شوال ' ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کے فجر سے پہلے تک ہے۔

اگر کسی شخص نے طلوع آفتاب کے بعد احرام باندھا تو اس کا حج نہیں بلکہ عمرہ ہو گا۔

فرائض حج :۔ حج کے فرائض تین ہیں (۱) احرام (۲) وقوف عرفہ (۳) طواف زیارت۔ اور یہ دونوں ارکان بھی ہیں۔

واجبات حج :۔ حج کے واجبات پانچ ہیں (۱) صفا اور مروہ کے درمیان سعی (۲) حلق اور تقصیر (۳) وقوف مزدلفہ (۴) رمی جمار (۵) اور آفاقی (دور سے آنے والے) کے لیے طواف۔

اگر حاجی نے وقوف عرفہ نہیں کیا تو حج ادا نہیں ہو گا اور اگر عرفات ہوتے ہوئے گزر

جائے توحج ادا ہوجائے گا۔

اور اگر طواف زیارت نہیں کی توحج تو ہوجائے گا، لیکن اس پر بیوی حلال نہیں ہوگی، زندگی بھر وہ ذمے میں باقی رہے گا، اور باقی کے چھوڑنے پر دم واجب ہوگا۔

جب گھر سے نکلنے کا ارادہ کرے تو سب سے پہلے قرض خواہ کو قرض ادا کرے، اور اگر کسی کی امانت ذمہ میں ہوتو واپس کرے، جس کا مال ناحق لیا ہو واپس کرے یا معاف کرائے، نماز روزہ، زکات چھوٹ گئی ہوں تو قضا کرے، اور آئندہ پابندی کی نیت کرے، اور ترک کرنے پر صدق دل سے توبہ کرے۔

ماں باپ سے یا عورتیں اپنے شوہر سے اجازت طلب کریں! کیوں کہ بغیر اجازت سفر مکروہ ہے۔

اہل و عیال کے رہن سہن اور نان و نفقہ کا معقول انتظام کرے، حلال مال کے ذریعہ حج کا ارادہ کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حلال مال کے ذریعہ کی ہوئی نیکی کو قبول فرماتا ہے۔

اور وہ حج اللہ کے لیے خاص ہو نہ کہ دکھاوے کا کیوں کہ اللہ تعالیٰ ریاکاری کو پسند نہیں فرماتا۔

حج کا طریقہ :۔ جب گھر سے نکلے تو کچھ صدقہ کرے اس کے بعد توبہ و استغفار اور درود شریف کی کثرت کرتے ہوئے دروازے سے باہر نکلے، قریب کی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے، ضروریات سفر مثلاً: زاد راہ اور احرام کے کپڑے وغیرہ ساتھ رکھے۔ خوشی خوشی گھر سے روانہ ہو اور میقات سے پہلے پہلے احرام باندھ لے (میقات وہ جگہ ہے جہاں سے بغیر احرام کے مکہ معظمہ میں داخل ہونا جائز نہیں) اگر گھر سے احرام باندھ لیا تو کوئی حرج نہیں۔

ہندوستانیوں کا میقات یلملم ہے، یہ جگہ سمندر کے درمیان میں آتی ہے اور جہاز والے اس کی آمد پر آگاہ کردیتے ہیں، جب یہ جگہ قریب آئے تو مسواک کریں اور وضو کریں اور خوب مل کر غسل کریں، غسل نہ کرسکیں تو صرف وضو کرلیں۔ الحاصل مکمل طہارت کے ساتھ

احرام باندھیں، احرام کے وقت ایک مرتبہ خوشبو لگانا سنت ہے، مگر وہ زیادہ دیر تک رہنے والی نہ ہو۔ احرام باندھنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھ کر پوری امت مسلمہ کے لیے دعائے خیر وعافیت اور استغفار کریں، احرام کے بعد ان چیزوں کا استعمال جائز نہیں جن سے احرام میں روکا گیا ہے، اور جب حرم مکہ کے قریب پہنچے تو ادب کے ساتھ سر جھکا کر نگاہیں نیچی کریں، اور ہو سکے تو پیدل ننگے پاؤں " لَبَّيْك "کہتا ہوا حرم میں داخل ہو جائیں۔

حرم کے حدود میں کچی گھاس کاٹنا، چھوٹے درخت اکھاڑنا اور وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے۔ (1)

جب مکہ مکرمہ نظر آئے تو تمام امت مسلمہ اہل خاندان، قرابت دار اور دوستوں کے لیے دعائے مغفرت وعافیت کریں، کیوں کہ یہ اجابت وقبولیت کا مقام ہے، اور جب مکہ معظمہ پہونچ جائیں تو بغیر کسی کام میں مشغولیت کے سب سے پہلے مسجد الحرام میں جائے ذکر خدا اور سارے مسلمانوں کے لیے دعا کرتے ہوئے "لبیک "کہتا ہوا باب السلام تک پہنچیں، پہلے داہنا پاؤں اندر داخل کرے اور دعا کریں، پھر طواف کریں۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: "رَمَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ الْحَجَرِ إِلَى الْحَجَرِ ثَلَاثًا وَمَشىٰ أَرْبَعًا" (2) ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے حجر اسود سے حجر اسود تک تین پھیروں میں رمل کیا اور چار میں معمول کے مطابق کیا۔

بعدہٗ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھیں، اور یہ نماز واجب ہے۔ اس کے بعد چاہ زمزم (زمزم کا کنواں) کے پاس جاکر خوب شکم سیر ہوکر زمزم شریف پئیں، لیکن قبلہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوکر پئیں، اس وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی (چکر لگائے) کریں۔

---

(1) بہار شریعت جلد اول حصہ ۵ ص:

(2) صحیح مسلم جلد اول: ص: ۴۱۱

اس اثنا میں جتنا چاہے طواف کریں! مگر ہر دفعہ سات پھیرے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھنا ضروری ہے۔

جب سات تاریخ کو امام خطبہ دے تو اسے غور سے سنیں اور آٹھویں تاریخ کو سورج نکلنے کے بعد منٰی کو روانہ ہو جائیں، ظہر کی نماز سے پہلے پہنچنا ضروری ہے، ظہر سے نویں تاریخ کے فجر تک نماز منٰی میں پڑھیں، او غروب آفتاب تک ذکر و اذکار میں لگے رہیں۔ اس کے بعد عرفات کو روانہ ہو جائیں اور بعد زوال وقوف کریں۔ (وہیں ٹھہرے رہیں)

سورج ڈوبنے کے بعد مزدلفہ نکلیں اور وہاں عشا کے وقت مغرب اور عشا دونوں نماز پڑھیں، صبح سورج طلوع ہونے کے بعد منٰی جائیں اور سات چھوٹی کنکری لے کر شیطان کو ماریں اور پہلی کنکری سے ساتویں کنکری تک اوراد و وظائف بند کر دیں۔

ساتویں کنکری میں وہاں سے تلبیہ اور درود شریف پڑھتے ہوئے فوراً نکل جائیں، اس کے بعد قربانی کریں۔

اور ایام نحر ہی میں سر منڈوائیں یا تقصیر کرائیں، اس کے بعد بہتر یہ ہے کہ اسی دن (دسویں ذی الحجہ) مکہ پہنچ کر طواف فرض (طواف زیارت) کریں۔

اب حج پورا ہوا، عورتیں اس کے لیے حلال ہو جائیں گی اور جو چیزیں حالت احرام میں منع تھیں اب ان کی اجازت ہوگی۔

گیارہ تاریخ کو بعد نماز ظہر امام کا خطبہ سنیں، پھر رمی کو جائیں اور جمرہ اولیٰ سے شروع کریں، پھر جمرہ وسطیٰ اور اخیر میں جمرہ عقبیٰ پر رمی کرتے ہوئے چلے جائیں۔

بارہویں تاریخ کو سورج نکلنے سے پہلے مکہ روانہ ہو جائیں، اگر چاہیں تو ٹھہر جائیں اور تیرہویں تاریخ کو یہاں سے روانہ ہوں، لیکن تیرہویں تاریخ کو رمی کر کے جانا افضل ہے۔ اس کے بعد چاہیں تو اپنے وطن لوٹ آئیں اور چاہیں تو وہیں رہیں۔

اس درمیان چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، جیسے نماز کی پابندی، ریاکاری سے

بالکل خالی، جومال ساتھ میں ہواس میں حرام مال کا اختلاط نہ ہو، حقوق العباد سے بری الذمہ ہو، پڑوسی خاندان و رشتہ دار راضی اور خوش ہوں ،ناراض اور آزردہ نہ ہوں کیوں کہ یہ سب مقبولیتِ حج کے موانع ہیں۔

مدینہ شریف کی حاضری :۔ حدیث پاک ہے: ''مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَأَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ''(1) ترجمہ: جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی تو گویا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔

دوسری جگہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ''(2) ترجمہ: جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میرے روضہ کی زیارت کی تو اس نے گویا میری حیات میں میری زیارت کی۔

جس پر حج فرض ہے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے ارکان کو پورا کرے پھر مدینۃ الرسول ﷺ کی زیارت کے لیے آئے، اور جو نفلی حج کے غرض سے آئے ہوں تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے مدینۃ الرسول ﷺ میں حاضری دیں ، پھر ارکان کو پورا کریں، مطلب یہ ہوا کہ جب بھی مکہ معظمہ آئے تو ضرور روضہ مطہرہ کی زیارت کریں۔

آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: ''وَمَنْ وَجَدَ سِعَةً وَلَمْ یَفِدْ إِلَیَّ فَقَدْ جَفَانِیْ''(3) ترجمہ: اور جو شخص طاقت وقدرت کے باوجود میری طرف نہ آئے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "علما اس بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں کہ پہلے حج کرے یا زیارت ''لباب'' میں ہے حج نفل میں مختار ہے اور فرض ہو تو پہلے حج مگر مدینہ طیبہ راہ میں آئے تو تقدیم زیارت سے لازم انتہی، یعنی بے زیارت

---

(1) دار قطنی ص ۶۴۸: بحوالہ احیاء العلوم جلد اول: ص: ۶۴۸

(2) مشکاۃ المصابیح ص: ۲۴۱ باب حرم المدینہ

(3) احیاء العلوم جلد اول: ص/ ۶۴۸

گزر جانا گستاخی ہے، اور فقیر کو علامہ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ارشاد بہت بھایا کہ پہلے حج کرے تاکہ پاک کی زیارت پاک ہوکر کرے"۔(1)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَ جَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ"(2) ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

مدینہ شریف جاکر اپنے اور خویش و اقارب کے لیے گناہوں کی مغفرت، رزق کی وسعت اور فرحت و شادمانی کی دعا کرے اور کثرت سے درود پڑھے۔

اگر کسی نے بارگاہ اقدس ﷺ میں سلام کہنے کو کہا ہے تو کہے "أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ فُلَان! أَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ فُلَان"۔ فلاں کی جگہ اس شخص کا نام لے۔

اس بات کا خیال ضرور کریں کہ زیادہ قریب نہ ہوں کیوں کہ بے ادبی ہونے کا امکان ہے اس لیے کچھ دور ہی رہیں۔

☆ ☆ ☆

(1) فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ ص: ۷۹۸

(2) دارقطنی و بیہقی ر قانون شریعت جلد دوم: ص:۵۱

حقوق العباد

عالم انسانی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک ایسا رشتہ قائم کیا جس کا حق ادا کرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے، اس کے بغیر گناہ کی معافی ممکن نہیں، مگر اللہ چاہے تو۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ذُنُوْبُ بَيْنِكَ وَبَيْنِ الْعِبَادِ وَهٰذَا أَشْكَلُ وَأَصْعَبُ وَهِيَ أَقْسَامٌ الخ:“ ایسے گناہ جن کا تعلق تیرے اور بندے سے ہو، یہ سب سے مشکل اور سخت ہے، ان کی چند قسمیں ہیں۔ کبھی یہ جان، مال، عزت وآبرو اور کبھی دین سے متعلق ہوتا ہے۔

جو گناہ مال سے متعلق ہو اگر ممکن ہو تو مالک کو لوٹا دے ورنہ معاف کرا لے، اگر وہ فوت ہو گیا ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔

جو جان سے تعلق رکھتا ہو تو اس کے وارثین کو قصاص دے، عزت کے متعلق ہو مثلاً: غیبت کیا ہو، بہتان لگایا ہو یا گالی دی ہو تو جس کو گالی دی تھی اس سے معافی مانگے، یا وہ دین کے تعلق سے ہو مثلاً: اس کو کافر، بدعتی یا گمراہ کہا تو سب کے سامنے اس سے معافی مانگے۔ اگر معافی یا گناہ کی تلافی کی کوئی صورت نظر نہ آئے تو اللہ کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو تجھ سے راضی کر دے۔

خلاصہ کلام :۔ مظلوم کو راضی کرنا ہر حال میں لازم وضروری ہے۔[1]

اس فرمان سے مکمل طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ بندے کا حق جس طرح ممکن ہو ادا کر دینا چاہیے ؛کیوں کہ حقوق اللہ تو بندہ خدا کی بارگاہ میں گریہ و زاری اور صدق دل سے توبہ کر کے رب سے معاف کرا سکتا ہے، لیکن حقوق العباد کسی بھی حال میں معاف نہیں ہوں گے جب

---

(1) منہاج العابدین ص: ۱۲

تک کہ صاحب حق ظالم کو معاف نہ کر دے۔

حقوق العباد کے چند درجے ہیں۔یہاں پر ترتیب وار چھ کو بیان کیا جارہا ہے۔

(۱)والدین کے حقوق(۲) اولاد کے حقوق(۳)زوجین کے حقوق (۴) رشتہ داروں کے حقوق(۵)پڑوسیوں کے حقوق (۶)عام مسلمانوں کے حقوق۔

والدین کے حقوق

جہاں اور حقوق کا بیان ہے وہیں خصوصاً والدین کے حقوق کا بھی ذکر ہے۔سارے حقوق میں والدین کے حقوق نہایت اہمیت کے حامل ہیں،کیوں کہ انھیں پر دوسرے رشتوں کا مدار ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"بِرُّ اُمَّكَ وَأَبَاكَ وَاُخْتَكَ وَأَخَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ"(1)
ترجمہ: اپنے والدین،بہن اور بھائی سے نیکی کا برتاؤ کرو،اور پھر قریب سے قریب رشتے داروں سے۔

دوسری جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا:یارسول اللہ ﷺ "مَنْ اَبَرُّ قَالَ اُمَّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمَّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبَاكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَلْاَدْنیٰ فَالْاَدْنیٰ"(2) ترجمہ:سب سے زیادہ نیکی کا مستحق کون ہے ؟آپ ﷺ نے فرمایا:تمھاری ماں ،عرض کیا پھر کون ؟آپ ﷺ نے فرمایا: تمھاری ماں ،عرض کیا پھر کون ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:تمھارا باپ،عرض کیا پھر کون ؟آپ

---

(1) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص:۱۵۰: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم:ص:۵۰۱

(2) سنن ابن ماجہ ص: ۲۶۰

ﷺ نے فرمایا: قریبی رشتہ دار۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دنیامیں نسل انسانی اوران کی تعداد کوانھیں کے ذریعہ وسعت دیتاہے اسی لیے ان کے حقوق کوادا کرنے میں طرح طرح کے فرامین جاری فرمائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:" وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاؕ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ۝۲۳ "(1) ترجمہ: اور تمھارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اف تک نہ کہو اور نہ ہی انھیں جھڑکو اور ان سے نرمی سے گفتگو کرو۔

اس آیت کریمہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں وہ یہ کہ خدا کی وحدانیت کے بعد سب سے پہلا فریضہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے بندے سے اولاً اپنی وحدانیت کو منوایا اور اپنا شریک بنانے سے منع فرمایا کہ سب سے پہلے خدا کو مان کر پاک و صاف ہو جاؤ پھر اپنی جنت کو سنوارو یعنی والدین کی خدمت کرو، اس لیے کہ وہی تمھارے اس جہان میں آنے کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کی نافرمانی کو بندے پر حرام قرار دیا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَیْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَیْــٴًـا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاۚ "(2) ترجمہ: اے محبوب! آپ فرماؤ، آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤں جو تم پر تمھارے رب نے حرام کیا یہ کہ اس کا کوئی شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو! اسی وجہ سے ماں باپ کی نافرمانی اور ان کے ساتھ برا سلوک حرام ہے اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔

ماں باپ کی ہر حال میں بقدر امکان واستطاعت فرماں برداری ادب اور احترام

(1) پ ۱۵ر سورہ بنی اسرائیل
(2) پ ۸ سورہ انعام

بجالاؤ، ہاں اگروہ خلاف شرع کرنے کا حکم دیں تو اطاعت نہ کرو کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔ اور ان کی ہر طرح کی خدمت کرو تاکہ تمھارے لیے ان کے دل میں جگہ بن جائے اور جنت میں جانے کا راستہ صاف ہو جائے۔

انھیں ''اف'' بھی نہ کہو اس سے مطلب یہ نہیں کہ صرف تم ان کو لفظ ''اف،، نہ کہو بلکہ ''اف'' سے مراد کوئی بھی تکلیف دہ بات نہ کہو، ایسا کام نہ کرو جس سے انھیں تکلیف ہو، ایسی بات نہ کہو جس سے ان کے دل کو چوٹ پہنچے۔

یہاں پر لفظ "اف" اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ یہ تکلیف دینے والے لفظوں میں سب سے خفیف (ہلکا) لفظ ہے جس کا استعمال چھوٹی چھوٹی باتوں پر کر دیا جاتا ہے، لیکن ان کے خلاف کبھی اف تک نہ کہو ہو سکتا ہے کہ تمھارا یہ "اف" کہنا ان کو برا لگے جس سے تمھاری آخرت کی زندگی برباد ہو سکتی ہے، تو جب سب سے خفیف (ہلکا) لفظ کا بھی استعمال جائز نہیں تو۔ معاذاللہ۔ انھیں جھڑکنا، ڈانٹنا، پھٹکارنا، اذیت دینا اور ان پر ہاتھ اٹھانا کس قدر شدید بدبختی اور شقاوت کا باعث ہوگا۔

بڑھاپے کی وجہ سے وہ لغویات بولیں یا لفظوں کی تکرار کریں تو تم۔ معاذاللہ۔ ہرگز برا نہ مانو، اور طبیعت کو بے زاری کا شکار نہ ہونے دو۔ ان کو ''قَوۡلًا كَرِيۡمًا ''(نرمی) کے تحت جواب دو یعنی جو بات کہو نرمی سے کہو، ادب واحترام اور تعظیم کا پورا خیال رکھو۔

آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: '' ماں باپ سے نیکی کرنا نماز، صدقہ، روزہ، حج، عمرہ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے''۔(1)

حضرت عبد الرحمن بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''سَأَلۡتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَيُّ الۡعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ تعالیٰ قَالَ الصَّلٰوةُ عَلٰى

(1) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۳۸ کتاب البر والصلہ، بحوالہ احیاء العلوم جلد ۲ ص:۵۰۰

وَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَيٌّ قَالَ اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ'' (1) ترجمہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، کون سا عمل اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وقت پر نماز پڑھنا۔ میں نے کہا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ میں نے کہا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کرنا اور انھیں راضی کرنا ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے؛ ورنہ ہمارا انجام بہت خطرناک اور سخت ہو گا۔

آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: '' جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کے ماں باپ اس سے راضی ہوں تو وہ یوں صبح کرتا ہے کہ اس کے لیے جنت کی طرف دو دروازے کھلے ہوتے ہیں، اور جو آدمی اسی حال میں شام کرے، اس کے لیے بھی یہی بشارت ہے، اور اگر (ماں باپ میں سے) ایک ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے اگر چہ وہ (والدین) اس پر زیادتی کریں۔ اس لفظ کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اور جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کے والدین اس سے ناراض ہوں تو وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لیے جہنم کی طرف دو دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اگر شام اسی طرح کرے تو بھی اسی طرح ہو گا اور اگر ان میں سے ایک (ماں یا باپ) ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے، اگر چہ اس کے ماں باپ اس پر زیادتی کرتے ہوں۔ (یہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا) (2)

اس حدیث سے واضح ہے کہ ماں باپ کیسے ہی ہوں، ہم پر ہر حال میں ان کا خیال رکھنا لازم و ضروری ہے، اگر ان کے مقابل اولاد، بیوی رشتہ دار اور پڑوسی آجائے تو سب پر ان کو ترجیح دینا ہے۔

(1) صحیح بخاری جلد دوم: ص: ۸۸۲ کتاب الادب

(2) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۰۶ : بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۵۰۰

لیکن دور موجودہ زمانے کا حال یہ ہے کہ ماں باپ صرف جوان کرنے تک ہیں، یعنی بچپن سے جوانی تک ماں باپ ہیں اور شادی کے بعد ماں باپ صرف نام کے رہ جاتے ہیں، سارے سامان اور گھر بار کے ساتھ ساتھ ماں باپ کو بھی بے حیا اولاد باہم تقسیم کرلیتی ہے۔ آپس میں باری لگائے رہتے ہیں کہ ہم اتنے دن کھانا کھلائیں گے اور تم اتنے دن۔ اور یہ ماحول صرف ایک دو گھر میں نہیں ہے بلکہ آج یہ رسم ورواج اور اصول کی شکل اختیار کرچکا ہے۔

شادی کے بعد نوجوان ماں باپ سے جدا ہونے کو باعث عزت سمجھنے لگے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز سے بہترین بیوی ہی ہے کہ اسے چھوڑنا گوارا نہیں، لیکن ماں باپ جنھوں نے خون جگر پلاکر، اپنا لقمہ نور نظر پر بصد خلوص قربان کرکے، اپنی خواہشات اورامنگوں کو درکنار کرکے، اولاد کو آغوش رحمت میں لیے زندگی کی سنگ لاخ وادیوں سے گزار کر جوانی کی منزل تک پہنچایا، ان کے ساتھ رہنا کسر شان اور بے عزتی تصور کرتے ہیں، اور ایسے ہی لوگ خود کو کامیاب سمجھتے ہیں۔ ان پر اللہ کی لعنت ہو، ان کے لیے جہنم کا دروازہ کھلا ہوا ہے، یہ لوگ عذاب شدید کے مستحق ہیں، کیوں کہ ماں باپ کی نافرمانی ایک آدمی کے قتل کے برابر ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی اور انھیں جھڑک دینے میں اتنا ہی گناہ ملتا ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے میں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ” اَلْکَبَائِرُ اَلْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغُمُوْسُ “ (1)

ترجمہ: کہ کبیرہ (یہ ہیں) کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، قتل نفس (ناحق کسی کو قتل کرنا) اور جھوٹی قسم کھانا۔

کیا ہمارے معاشرے کے جوان جہنم کی آگ برداشت کرنا پسند کرتے ہیں کہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر بیوی کو ترجیح دیتے ہیں؟ اہل وعیال وغیرہ کو دوری کی وجہ بتاتے ہیں، حالاں کہ ماں

(1) صحیح بخاری رجلد ثانی: ص:۹۸: باب الیمین الغموس
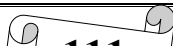
باپ اگر بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضِی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں : " میرے نکاح میں ایک عورت تھی، جس سے میں محبت کرتا تھا لیکن (میرے والد) حضرت عمر رضِی اللہ تعالیٰ عنہ اسے ناپسند کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے مجھے کہا اسے طلاق دے دے! میں نے انکار کیا تو میرے والد حضرت عمر رضِی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے طلاق دے دے۔ (1)

حضرت ابودردا رضِی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں : " اِنَّ رَجُلًا أَتَاہُ، فَقَالَ إِنَّ لِی إِمْرَأَۃً وَإِنَّ أُمِّی تَأْمُرُنِی بِطَلَاقِھَا۔ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسَلَّمَ یَقُوْلُ أَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّۃِ فَإِنْ شِئْتَ فَأَضِعْ ذٰلِکَ الْبَابَ أَوْإِحْفَظْہُ " (2)

ترجمہ: کہ ان کے پاس ایک آدمی آیا اور ان سے عرض کیا کہ میری ایک بیوی ہے میری ماں اسے طلاق دینے کا حکم دیتی ہے (میں کیا کروں) حضرت ابودردا رضِی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ والد جنت کے دروازے میں سے ایک بہترین دروازہ ہے پس اگر تو چاہے تو اس دروازے کو ضائع کر دے یا اس کی حفاظت کر۔ (والد سے مراد ماں باپ دونوں ہیں)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "اے موسیٰ! جو شخص ماں باپ سے اچھا سلوک کرے اور میری نافرمانی کرے میں اسے نیکو کار لکھتا ہوں ، اور جو آدمی مجھ سے نیکی کرے اور والدین کی نافرمانی کرے میں اسے نافرمان لکھتا ہوں"۔ (3)

کیوں کہ نماز حقوق اللہ میں سے ہے اور ماں باپ کی نافرمانی حقوق العباد میں سے ہے

(1) مشکاۃ المصابیح ص:۴۲۱

(2) ترمذی شریف جلد دوم: ص:۱۲

(3) احیاء العلوم جلد ۲ ص:۵۰۱

جوکہ سب سے قریبی حق ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ لاکھ سجدے کرلو ،زندگی بھر روزے رکھ لو، خزانوں کے خزانے لٹادو، اگر ماں باپ خوش نہیں توسب بے کار ہے۔

والدین کو خوش کرنے کا صلہ:۔ والدین کی خدمت کرنا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ بہتر ہے، نفل نماز سے زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضِی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے،فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیااور عرض کیا: میں اللہ کی رضامندی کے لیے ہجرت اور جہاد پر آپ کی بیعت کرتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: کیاتمھارے والدین یاکوئی ایک باحیات ہیں ؟اس نے کہا ہاں دونوں باحیات ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: توتم اللہ کی رضامندی تلاش میں ہو؟کہاہاں ! آپ ﷺ نے فرمایا: تواپنے والدین کے پاس جاکر ان سے اچھاسلوک کرو!یعنی ان کی بھرپور خدمت کرو! (1)

اور حضرت اویس قرنی رضِی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ تومشہور ہی ہے کہ ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے صحابیت جیسی فضیلت اور عظیم شرف حاصل نہ کرسکے،اور اس کا صلہ آپ کو یہ ملاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت عمر اور حضرت علی رضِی اللہ تعالیٰ عنہما کے ذریعے اپنا جبہ شریف اور دیگر تحائف ارسال فرمائے ،اور آپ کو تابعین میں سب سے افضل کا درجہ ملا۔

اسی تعلق سے علامہ شہاب الدین قلیوبی رحمۃ اللہ علیہ ایک حکایت بیان کرتے ہیں:

حکایت :۔ حضرت سلیمان علیہ السلام زمین وآسمان کے درمیان ہوامیں اڑرہے تھے ایک دن ایک گہرے سمندر سے گزر رہے تھے کہ اچانک سمندر میں ایک بھیانک موج دکھائی پڑی،آپ نے ہواکورکنے کاحکم فرمایا،ہوارکی توجناتوں کوحکم دیاکہ وہ غوطہ لگائیں،یکے بعد

---

(1) ریاض الصالحین ص:۱۰۱

دیگرے سبھوں نے غوطہ لگایا تو ایک سفید موتی کا گنبد پایا، جس میں نہ کوئی دروازہ تھا اور نہ ہی کوئی نشانی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس خبر پہنچی تو اسے نکالنے کا حکم دیا، جب نکالا گیا تو آپ سامنے رکھ کر تعجب کرنے لگے اور اللہ سے دعا کی تو گنبد پھٹ گیا اور اندر جانے کا راستہ بن گیا۔ آپ نے ایک نوجوان کو اس میں عبادت کرتے دیکھا اور پوچھا: تو فرشتہ ہے یا جنات ؟ اس نے کہا: میں انسان ہوں۔ آپ نے دریافت کیا کہ تو نے یہ مرتبہ کیسے پایا؟

اس نے کہا اپنے والدین کی خدمت سے کہ میری بوڑھی ماں تھی اسے میں اپنی پیٹھ پر اٹھائے رکھتا تھا، اور ہمیشہ وہ اپنی دعا میں کہا کرتی تھی: اے اللہ تو اسے نیک رزق عطا فرما، اس کے لیے اچھا مکان مقرر فرما، جو نہ زمین پر ہو اور نہ آسمان میں۔

جب وہ وفات کر گئی تو میں اسی سمندر کے کنارے آیا تو میں نے سفید موتی کا گنبد دیکھا، جب میں اس کے قریب پہنچا تو وہ میرے لیے پھٹ گیا، جب میں اس میں داخل ہوا تو وہ بند ہو گیا۔ (اللہ تعالیٰ کی قدرت سے والدین کے ہاتھ میں زندگی کی تقدیر ہوتی ہے، چاہیں تو سنوار دیں اور چاہیں تو دوزخ بنا دیں، کیوں کہ ان کی دعاؤں میں بہت تاثیر ہوتی ہے) اس کے بعد مجھے پتہ نہیں کہ میں زمین پر ہوں یا پھر آسمان میں، اور اللہ تعالیٰ مجھے اسی میں رزق دیتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا: تو اس میں رزق کیسے پاتا ہے ؟ اس نے کہا: جب میں بھوکا ہوتا ہوں تو پتھر سے ایک درخت نکلتا ہے اور درخت سے پھل، اور اسی سے پانی کا چشمہ بھی جاری ہوتا ہے، جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے، میں کھاتا اور پیتا ہوں، جب شکم سیر ہو جاتا ہوں تو وہ وہاں سے ہٹ جاتا ہے۔

پھر آپ نے کہا: تو کیسے رات و دن میں فرق کرتا ہے ؟ اس نے کہا: جب فجر طلوع ہوتا ہے تو گنبد سفید ہو جاتا ہے، اور جب رات ہوتی ہے تو اندھیرا ہو جاتا ہے۔ ان عجائبات کو دیکھنے

کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے خدا کا شکر ادا کیا، پھر وہ گنبد بند ہو کر اپنی جگہ پہنچ جاتا ہے۔(1)

ایک ماں کی دعا سے دنیا میں جنت جیسی خوبصورت جگہ ملی، جسے دیکھ کر عام لوگ بلکہ زمانے کے نبی جن کی بادشاہت خدا کی ساری مخلوق اور روئے زمین پر تھی، حیرت میں ڈوب گئے اور اس پر خدا کا شکر ادا کیا۔

لیکن آج کے جوان نصیحت حاصل کرنے کے بجائے سنگ دلی اور بدبختی پر اتر آتے ہیں، ماں باپ کی خدمت کے بجائے انھیں گھر سے باہر نکال دیتے ہیں، انجان بن کر عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں، اور والدین زندہ رہ کر بھی ان (اولاد) کے بغیر لاش کی طرح ہو جاتے ہیں، ایسی اولاد اپنی اگلی نسل یعنی اپنی اولاد کے بارے میں سوچے کہ جب میں بوڑھا ہو جاؤں گا تو ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائے گا۔

یہ دنیا کا اصول ہے کہ جیسا کروگے ویسا بھروگے، خصوصاً والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنے اور انھیں ایذا دینے والے کو دنیا ہی میں سامان عبرت بنادیا جاتا ہے۔(تکلیف میں مبتلا کردیا جاتا ہے) لیکن کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتے، اور کیوں کریں؟ جب انھیں آخرت کی پرواہ نہیں، خدا کا خوف نہیں، تو ماں باپ کی وقعت بھلا ان کی نظر میں کیا ہوگی؟ ایسے لوگوں کے لیے تو دنیا ہی جہنم بن جایا کرتی ہے۔

والدین سے حسن سلوک کرنا ایمان کا تقاضا ہے، جس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں، سلف (یعنی آبا و اجداد) کا طور طریقہ خلف کے لیے مشعل راہ ہوتی ہے یعنی جو سلوک آپ اپنے باپ دادا سے کریں گے ویسا ہی سلوک آپ کے بچے آپ کے ساتھ کریں گے۔

مکاشفۃ القلوب میں مرقوم ہے: "حاکم کی روایت ہے، دوسروں کی عورتوں سے

---

(1) کتاب القلیوبی حکایت ۲۰/

درگزر کرو، تمھاری عورتوں سے درگزر کیا جائے گا، اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو تمھاری اولاد تم سے حسن سلوک کرے گی۔ (1)

والدین کی نافرمانی کا صلہ:۔ والدین کی نافرمانی جہنم میں جانے کا دروازہ اور نار دوزخ کا ایندھن بنانے والی بہت ہی بری شَے ہے یعنی نافرمان اولاد کو بلا توقف جہنم میں دھکیل دیا جائے گا اگرچہ بندہ متقی ہی کیوں نہ ہو، اور وہ متقی کیسا جو ماں باپ کو ناراض کرے؟

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آتی ہے لیکن ماں باپ کا نافرمان اور رشتہ داروں سے قطع تعلق رکھنے والا اسے محسوس نہیں کرسکتا''۔(2)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' رَغِمَ أَنْفُهُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُهُ قِيلَ مَنْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ'' (3) ترجمہ: اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، اس کی ناک خاک آلود ہو، عرض کیا گیا: کس کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جس نے والدین یا کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور جنت میں نہ گیا۔ (یعنی جنتی نہ ہوسکا) ناک کا گرد آلود ہونا یہ نہایت ہی ذلت والا لفظ ہے، جیسا کہ کوئی شخص بدنام ہوتا ہے تو اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے ناک کٹوالی۔

جہاں تک ہوسکے ماں باپ کو خوش رکھیں، ماں باپ کی نافرمانی سے بچیں اور ہمیشہ ان کی بات پر لبیک کہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والدین کی ناراضگی میں ہے، والدین کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت ہے اور والدین کی نافرمانی میں

---

(1) مکاشفۃ القلوب ص: ۱۷۶

(2) الکامل لابن عدی جلد۶ ص۲۱۵ : بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۵۰۰

(3) مشکاۃ المصابیح ص: ۴۱۸

اللہ کی نافرمانی ہے ''۔(1)

والدین کی خدمت بلاؤں کوٹال دیتی ہے۔ ماں کی خدمت سے بلائیں بھی دور ہوتی ہیں۔

''روایت ہے کہ ایک مرتبہ تین نوجوان ذریعۂ معاش (کمانے) کے لیے سفر میں نکلے، راستے میں رات ہوگئی، تینوں ایک غار (پہاڑ کی کھوہ) میں ٹھہر گئے اچانک ایک گول چٹان نے گرکر غار کا دہانہ بند کردیا، اب یہ تینوں پریشان ہوگئے، دعا کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہا، چنانچہ ان میں سے دو نے اپنی اپنی نیکی کا وسیلہ دے کر دعا کی تو چٹان کچھ ہٹ گئی، لیکن اس سے نکلنا مشکل تھا۔

اس کے بعد تیسرے نے اپنی نیکی کو پیش کرتے ہوئے دعا کی کہ '' اے میرے خدا! میری بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے، جب میں بکریاں چرا کر آتا تو دودھ دوہ کر پہلے اپنے والدین کو پلاتا تھا پھر بچوں کو دیتا، ایک مرتبہ بکریاں چراتا ہوا بہت آگے نکل گیا اور میری واپسی اس وقت ہوئی جب میرے والدین سو چکے تھے، میں نے حسب معمول دودھ دوہا اور لے کر والدین کے سرہانے کھڑا ہوگیا، میرے بچے بھوک کے مارے میرے قدموں میں رو رہے تھے مگر میں نے والدین کو دودھ پلائے بغیر انھیں پلانا مناسب نہ سمجھا یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اے اللہ! اگر میرا یہ عمل تیری رضا جوئی کے لیے تھا تو اس کے صدقے میں تو اس چٹان کو ہٹا دے۔ چنانچہ وہ چٹان تینوں کے نیک عمل کی وجہ سے ہٹ گئی، اور وہ لوگ اس بلا سے صحیح وسالم نکل گئے''۔(2)

آج اگر ماں باپ بھوکے رہیں، معقول انتظام کے باوجود بچوں سے پہلے ان کو دیکھنے تک نہیں دیتے۔ انہی جیسی اور دیگر نافرمانیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے آج مسلمان ذلیل وخوار

(1) مکاشفۃ القلوب ص: ۱۸۲

(2) صحیح بخاری جلد دوم: ص ۸۸۳

پھر رہے ہیں؛ پھر بھی ہمارے نوجوانوں کو اس کا احساس نہیں ہے۔

اب بھی مسلمان سدھر جائیں تو ان کی وہی شان لوٹ آئے گی جو صدیوں قبل تھی، مسلمانوں کا تیور اور عدل واپس آجائے گا، جو حکومت اورنگ زیب عالم گیر کے زمانہ میں تھا، جو شان و شوکت قوم مسلم کی تھی کہ ان کے اشارے سے اقوام عالم کی تقدیر کا فیصلہ ہو جایا کرتا تھا، جن کے جلال عالم گیری اور زور ید اللّٰہی سے روئے زمین تسخیر شدہ (فتح کی ہوئی) تھی، جن کے عدل و انصاف سے نظام عالم گردش کر رہا تھا، جن کی ہیبت و جلال، فضل و کمال، علم و ہنر اور طاقت و قوت کے آگے سلاطین زمانہ اور رؤسائے دہر بے بس تھے، وہ عظمت رفتہ بازیاب ہو سکتی ہے (دوبارہ لوٹ سکتی ہے) اور ان کو ذلیل و خوار کرنے والے نیست و نابود ہو جائیں گے۔

اس کے لیے سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ مسلمان خود کو پہچانیں کہ ہم کیا ہیں؟ ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ ہم پر فرض کیا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ اگر ہم ان سب کا جائزہ لیں گے تو ان شاء اللہ دنیا میں مسلمانوں کے نام پر بے ایمانی اور دہشت گردی وغیرہ کا جو کلنک (داغ) لگا ہے سب دور ہو جائے گا، مسلمانوں کی حکومت پوری دنیا میں نافذ ہو جائے گی، اسلامی کردار و گفتار، اسلامی قوانین اور اسلامی فوج غرض کہ ہر ایک چیز اسلامی شکل میں نظر آئے گی۔

سوال:۔ کیا ہم پر والدین کے حقوق ان کی وفات کے بعد بھی ہیں؟

جواب:۔ والدین کے حقوق ان کے وفات کے بعد بھی ہیں وہ یہ کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا، ان کے متعلقین، دوست و احباب سے حسن سلوک کرنا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ کی طرف جا رہے تھے، راستہ میں انھیں ایک بدوی (دیہاتی) ملا، آپ نے اسے گدھے پر سوار کیا اور اپنی پگڑی اتار کر اسے دے دی، ابن دینار رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے یہ بدوی لوگ تو معمولی شئے کی عطا

سے بھی خوش ہو جاتے ہیں ،آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس کا باپ میرے باپ کا دوست تھا، اور میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سنا ہے کہ بہترین نیکی بیٹے کا اپنے باپ کے دوستوں کو عزیز رکھنا ہے۔(1)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے توباپ کے دوست کے بیٹے کے ساتھ حسن سلوک کیا، توباپ کے دوست کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ ہو گا۔

حضرت مالک ابن ربیعہ ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ،وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! والدین کی وفات کے بعد ان سے نیکی کرنے کی کوئی صورت ہے ؟آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:ان کے لیے دعائے مغفرت کرو، ان کے وعدے پورے کرو،ان کے رشتہ داروں سے تعلق رکھواور ان کے دوستوں کی عزت کرو! (2)

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:"سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کی وفات کے بعد اس کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے"۔(3)

حاصل کلام یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہمارا فریضہ ہے،ان کی آسایش وآرام کے بارے میں سوچنا ایک اہم ذمہ داری ہے ،اگر وفات کرجائیں تو ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ہم پر لازم وضروری ہے۔

ان کے حق میں اکثر یہ دعا کریں:"رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾"

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :" اللہ کے نزدیک شبہات (شک و گمان) میں بھی والدین کی اطاعت واجب ہے،اگر وہ تمھارے الگ کھانے سے ناراض ہوں توتم پر لازم ہے ان کے ساتھ کھانا کھاؤ! کیوں کہ شبہ (شک وگمان) کو چھوڑنا تقویٰ ہے اور والدین کی

(1) صحیح مسلم ص ۲۵۵۲ :بحوالہ ریاض الصالحین ص:۱۰۶
(2) سنن ابوداؤد ص: ۵۱۴۲ :بحوالہ ریاض الصالحین ص:۱۰۶
(3) صحیح مسلم جلد دوم:ص ۳۱۴ :بحوالہ ریاض الصالحین ص:۱۰۶

رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے ،اسی طرح ایسا سفر جو نفلی ہو یا محض مباح ہو،ان کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتے، حتٰی کہ حج جو اسلام میں فرض ہے، تواس کے فرض ہونے کے بعد اسے فوری طور پر کرنا محض نفل ہے اس میں تاخیر کرسکتے ہیں۔

فرائض وواجبات کا علم حاصل کرنے کے لیے والدین کے حقوق کی قید نہ ہوگی۔(1) اس لیے کہ اگر ضروری علم حاصل نہیں کرے گا تو حقوق وغیرہ سے واقف نہیں ہوگا۔

جتنا علم حاصل کرنا فرض عین ہے اس کے لیے ہی چھوٹ ہے اس کے علاوہ میں نہیں، کیوں کہ ایک انسان کو اللہ اور رسول کے بعد اگر کسی سے محبت ہونی چاہیے تو وہ والدین ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو شرک ترک کرنے کے فوری بعد والدین سے حسن سلوک کرنے کا حکم دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:" اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ" اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو!

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہمارا اہم فریضہ ہے، اس لیے والدین کے مقام و مرتبہ کو پہچاننا ہمارے لیے بہت ہی ضروری ہے ،اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

☆ ☆ ☆

(1) احیاء العلوم جلد دوم:ص: ۵۰۵ :بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم:ص: ۵۰۵

اولاد کے حقوق

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "رِيْحُ الْوَلَدِ مِنْ رِيْحِ الْجَنَّةِ" اولاد سے آنے والی بو جنت کی خوشبو سے ہے۔

جس طرح اولاد پر والدین کے حقوق ہیں اسی طرح والدین پر بھی اولاد کے حقوق ہیں۔

اولاد کی تعلیم وتربیت :۔ جب تک آپ اپنی اولاد کو اچھی تعلیم نہیں دیں گے وہ کبھی سیدھا راستہ اختیار نہیں کرے گی،کیوں کہ ماں کی گود وہ گہوارہ ہے جس سے کوئی بچہ بری نہیں۔ماں کے گود سے ہی بچے کی تعلیم شروع ہوتی ہے ،اس وقت اسے کچھ معلوم نہیں کہ ہم کہاں ہیں ؟ہمارا مقصد کیا ہے ؟ہر ایک چیز سکھانا،سمجھانا،بتانا والدین کی ذمہ داری ہوتی ہے،بچوں کو صحیح یا غلط راستے کی طرف گامزن کرنا والدین ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے،بنانا بگاڑنا انھیں کے ذمۂ کرم پر ہوتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلی الْفِطْرَۃِ فَأَبَوَاہُ یُهَوِّدَانِهِ أَوْیُنَصِّرَانِهِ أَوْیُمَجِّسَانِهِ" (1) ترجمہ: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے،اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

بچوں کے اخلاق وکردار،اتار چڑھاؤ،تعلیم وتربیت اور تہذیب وتمدن میں والدین کا کردار کلیدی ہوتا ہے،بالخصوص ماں کا اثر اس پر زیادہ پڑتا ہے،کیوں کہ بچہ زیادہ تر ماں کی ہی

(1) صحیح بخاری جلد اول:ص:۱۸۱

صحبت میں رہتا ہے، اس لیے ماؤں کو چاہیے کہ اسلام کی طرف اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ رغبت دلائیں ،اسلامی بات بتائیں ،اسلامی طور طریقے بچوں کی فطرت میں ڈال دیں،عشق رسول ﷺ اور ادب رسول ﷺ سے لہو کو گرمادیں ، حمد خدا اور نعت رسول ﷺ کی لوریاں دے کر ان کی توجہ کو ایمان و توحید کا گہوارہ بنادیں ،ان کی فطرت اور طرز زندگی کو اللہ پاک اور مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی لازوال محبتوں سے اس طرح ہم آہنگ کر دیں کہ ان کے وجود کو دین سے جدا کر کے فرض بھی نہ کیا جاسکے ،ان کا وجود و حیات دین اسلام کے تابع ہو جائے۔

اگر بچے تعلیم یافتہ نہیں رہیں گے تو آپ کے حقوق سے نا آشنا رہیں گے جب اصل چیز سے ناواقف ہوں گے تو ان سے خدمت، بڑھاپے کی لاٹھی بنانے کی امید ہی رکھنا غلط ہے، کیوں کہ آپ نے اپنے بچوں کو صحیح تعلیم نہیں دی۔

اولاد کے ساتھ برتاؤ :۔ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں، اگر وہ غلط کریں تو فوراً ان کی اصلاح کریں تاکہ آئندہ اس غلطی سے باز رہیں ، بچوں پر ہمیشہ کڑی نگاہ نہ ڈالیں ورنہ ان کے نازک دل میں آپ کا خوف چھا جائے گا، اور ہمیشہ آپ کو اپنا دشمن سمجھے گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ سنِ بلوغ کے بعد وہ خود کو آزاد جانے گا، آپ کی بات انھیں ایسی معلوم ہوگی جیسے شیطان اس کو ہلاکت کی دعوت دے رہا ہو، آپ کے مشورے کو ہمیشہ اپنی بربادی سمجھے گا، حتی کہ آپ ان سے عاجز ہوکر تمنا کریں گے کہ اے کاش! مجھے کوئی اولاد نہ ہوتی۔اور اگر نرمی سے پیش آئیں گے تو ہمیشہ آپ کو رہبر اور رہنما سمجھے گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احنف بن قیس کو بلوایا، جب وہ آئے تو فرمایا، اے ابوالبحر! اولاد کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں ؟ انھوں نے کہا اے امیرالمومنین ! وہ ہمارے دلوں کے پھل اور ہماری پشتوں کے ستون ہیں اور ہم ان کے لیے نرم زمین اور سایہ دار آسمان ہیں، ان کی وجہ سے ہم بڑی بڑی مہموں (سخت سے سخت کام) میں حصہ لیتے ہیں، اگر وہ کچھ مانگیں تو انھیں دیں ، اور اگر وہ ناراض ہو جائیں تو ان کو راضی کریں ، وہ آپ کو دل سے چاہیں

گے اور حتی الامکان آپ سے محبت کریں گے، ان پر بوجھ نہ بنیں ورنہ وہ آپ کی زندگی سے اکتاجائیں گے، آپ کی وفات کو پسند کریں گے اور آپ کے قرب کو ناپسند کریں گے۔(1)

لیکن آج کے لوگ اپنے دل کے پھل کو غلط طور پر استعمال کرتے ہیں بجائے دین کی طرف راغب کرنے کے اسے فلمی ڈاراموں، گانوں اور دنیاوی خرافات کی طرف دھیان دلاتے ہیں، ان کے لیے خود نرم زمین اور سایہ دار آسمان کے بجائے ان کے حق میں زہر قاتل بنتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی آئندہ زندگی برباد ہوجاتی ہے، وہ اچھائی برائی میں تمیز نہیں کرپاتے۔

آج کے والدین دنیا کمانے کے لیے اپنے بچوں کو جہنم کی آگ میں دھکیل دیتے ہیں، جو ان کے بڑھاپے میں ان کے ساتھ بچوں کا سلوک ہی بتا دیتا ہے، یعنی دنیا کے لیے اس کو طرح طرح سے سنوار کر صرف مال و دولت کمانا سکھاتے ہیں جب وہی بچے شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں تو اپنے والدین کے لیے ہی مضر ثابت ہوتے ہیں، والدین پیڑ تو لگا لیتے ہیں لیکن پھل کھانے سے محروم ہوجاتے ہیں۔ مثل مشہور ہے: ”دوسرے کے لیے کنواں کھودنے سے آدمی خود کنویں میں گر جاتا ہے“ کہ دنیا کے چکر میں اولاد کو جہنم کا لقمہ بنا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ (والدین) دنیا اور آخرت دونوں میں ناکام نظر آتے ہیں۔

ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن میں فرمایا گیا: ”وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ“(2) ترجمہ: جان لو بے شک تمھارے مال اور تمھاری اولاد آزمائش ہے۔

کہ اگر انھیں صحیح استعمال کروگے تو ثابت قدم رہوگے، ورنہ جہنم کا ایندھن بننے کے لیے تیار ہوجاؤ! اس لیے اپنی اولاد کے حقوق کو بہترین طریقے سے ادا کرنا ضروری ہے تاکہ ان کی دنیا اور آخرت سنور جائے اور اس اجر کے آپ مستحق قرار پائیں۔ ان کے ساتھ ہر ایک اچھا برتاؤ کریں، کیوں کہ یہ رشتہ سب سے زیادہ کٹھن اور نازک ہے، اس لیے اس کی اور بھی تاکید کی

(1) احیاء العلوم جلد دوم: ص ۵۰۴

(2) پ 9 سورہ انفال

گئی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بچے کی پیدائش سے ساتویں دن اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کی آلائشوں کو دور کیا جائے، جب چھ سال کا ہو جائے تو اسے ادب سکھایا جائے، جب نو سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے جب تیرہ سال کی عمر کا ہو جائے تو اسے نماز نہ پڑھنے پر مارا جائے (مگر اتنا نہیں کہ وہ لہولہان ہو جائے) اور جب سولہ سال کا ہو جائے تو اس کا باپ اس کی شادی کرادے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: میں نے تمھیں ادب سکھایا، تعلیم دی، اور تیرا نکاح کر دیا، میں تیرے لیے دنیوی اور اخروی عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔(1)

آگے آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم فرماتے ہیں: "والد پر اولاد کے حقوق میں سے یہ ہیں کہ اس کو اچھی طرح ادب سکھائے اور اس کا اچھا نام رکھے"۔(2) ان دونوں ارشادات سے صاف ظاہر ہے کہ بچے کو ادب سکھانا ماں باپ کی اہم ذمہ داری ہے۔

بچے کے بگڑنے کی اصل وجہ: ۔ آج ہمارے معاشرے کی ماں سب سے پہلی تربیت گاہ کو ویران کر دیتی ہے یعنی بچے کو اپنے سے دور پرورش کے لیے دے دیتی ہے جو وقت بچے کا ماں باپ کے ساتھ گزرنا چاہیے وہ کسی اور کے ساتھ گزرتا ہے جو تربیت ماں کو دینی چاہیے وہ کوئی اور دیتا ہے، اور والدین پیسے کے زور پر ہر معنوی شئے کو خریدنا چاہتے ہیں، آج معاشرے میں اولاد کے حقوق اور ان کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بہت برائیاں درآئی ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) بچوں کا برا نام رکھنا ہے، کہ آج کل اپنے بچے کا نام پنٹو، گڈو وغیرہ لایعنی نام رکھتے

---

(1) سنن ابوداؤد جلد اول: ص: ۷۱

(2) کنزالاعمال جلد ۱۶ ص: ۴۶۱: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۵۰۳

ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور یہی وجہ ہے کہ بچوں پر منفی اثرات واقع ہوتے ہیں، بچوں پر اس کا منفی اثر پڑتا ہے۔ بچوں کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ ان کا اچھا نام رکھا جائے۔ حضور پاک ﷺ نے بچوں کے لیے اچھے نام رکھے جانے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے فرمایا: کہ ناموں کا بچوں پر اثر ہوتا ہے لہٰذا خوب صورت اور بہترین معانی والے اسما (نام) کو ان کے لیے بطور نام تجویز کریں۔

(۲) بچوں کو ڈھیل دینا اور تادیب سے صرف نظر کرنا یعنی جب تین یا چار سال کا ہو اس وقت کوئی غلطی کرتا ہے تو والدین کہتے ہیں: ''ابھی بچہ ہے'' اور تاکید نہیں کرتے، اس سے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور دوسرے دن دوسری غلطی کرتا ہے پھر بھی توجہ نہیں کی جاتی ہے اسی طرح وہ جرم پہ جرم کرتا چلا جاتا ہے، اور جب والدین توجہ دیتے ہیں تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ والدین کی بات اس پر اثر نہیں کرتی، تاکید کرنے پر وہ نافرمانی پر اتر آتا ہے۔

(۳) مائیں عیش و آرام کی خاطر اپنے بچوں کو دائیوں اور آیاؤں کی گود میں دے دیتی ہیں جس کی بنا پر ان کی تربیت نہیں ہو پاتی۔

درحقیقت ماں کا آنچل بچوں کے لیے اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، جس کی مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی، اس لیے کہ ماں کی محبت بچے کے لیے دنیا کی ساری نعمت اور دولت سے بڑھ کر ہے، اور جو بچہ ماں کی صحبت پایا ہی نہیں تو اسے ماں کی عظمت اس کی تعلیم و تربیت اور اس کے مقام و مرتبے کے بارے میں کیا معلوم؟ شروع سے ہی اس کے والدین نے اسے مال و دولت کے سایے میں رکھا، اس لیے وہ صرف مال و دولت ہی کو پہچانتا ہے، ماں کی ممتا کی اسے کوئی پرواہ نہیں۔

علاج:۔ بچوں کا نام اچھا رکھیں جس کے معنی ٹھیک ہوں۔ اس کے بارے میں حدیث رسول ﷺ گزر چکی۔ ان کی غلطی پر فوراً گرفت کریں، یعنی غلطی پر انھیں فوراً سزا دیں

تاکہ دوبارہ کوئی غلطی کرنے کی جرأت نہ کریں۔ اولاد کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں، اس لیے کہ اولاد کے ساتھ نرمی برتنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا کہ آپ اپنے بیٹے (نواسے) حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چوم رہے تھے، انھوں نے کہا: میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں ان میں سے کسی ایک کو نہیں چومتا، نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: جو آدمی رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔(1)

بد دعا سے گریز کریں، کیوں کہ بد دعا بھی بچوں کو خراب کرنے کا باعث ہے جس سے ان کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔

ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے کسی بیٹے کی شکایت کی، آپ نے فرمایا: تم نے اس کے خلاف بد دعا تو نہیں کی؟ اس نے کہا: کی ہے۔ فرمایا: تم نے اسے خراب کر دیا۔(2)

ماں باپ کی دعا یا بد دعا اولاد کے حق میں نبی کی دعا کی طرح ہوتی ہے، بارگاہ الٰہی میں رد نہیں کی جاتی، لہٰذا کبھی انھیں بد دعا نہ دیں۔

ماں بچے کو سب سے پہلے خود تعلیم دے یعنی کم از کم پانچ سال کی عمر تک بڑوں کی عزت کرنا، آپس میں بات کرنے کا طریقہ، رشتہ داروں کی پہچان کرانا، کیوں کہ بچے بڑے ہو جاتے ہیں مگر ہنوز اپنے رشتے داروں سے ناآشنا رہتے ہیں جس کی وجہ سے وہ رشتوں کی عظمت سے نابلد رہتے ہیں، اور رشتے نبھانے کے گُر سے ناواقف۔ اچھے لوگوں کی صحبت میں رہنے کی ترغیب دینا، برے بچوں کی صحبت اور کھیل کود سے اسے باز رکھنا، وقت پر سارا کام کرنے کی عادت دلانا۔ گانوں باجوں سے دور رکھنا۔ نماز، روزہ، دین اسلام تمام چیزیں کیا ہیں؟ ہر ایک سے واقف کرانا، کچھ ضروریات دین مثلاً: کلمہ، درود اور قرآن شریف کی چند آیتیں یاد کرانا۔ صاف

(1) صحیح بخاری جلد دوم: ص: ۸۸۷

(2) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۵۰۳

ستھرا رہنے کی تعلیم دینا۔ گالی کلوچ سے سختی کے ساتھ باز رکھنا، یہ تمام ذمہ داریاں ماں کی ہوتی ہیں، کیوں کہ مرد حضرات طلب معاش میں اکثر گھر سے باہر رہتے ہیں۔

دور حاضر میں کثیر تعداد میں یہ شکایتیں آنے لگی ہیں کہ بیٹے نے والدین کو باہر نکال دیا، بیٹا پیسہ نہیں بھیجتا ہے، مجبوری میں ساتھ نہیں دیتا، مانگنے پر جھڑکتا ہے، غرض کہ بیٹے کے خلاف طرح طرح کی شکایتیں کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ یہ ہمارے کرتوت ہی کی سزا ہے جسے آج ہم جھیل رہے ہیں۔

اگر انھیں کچھ دینی تعلیم دے دی ہوتی تو آج ان شکایتوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس لیے اگر والدین نے اپنی ذمہ داریوں سے چشم پوشی کی تو اولاد بھی ان کے حقوق کو پس پشت ڈال کر فراموش کر دے گی۔ مقولہ مشہور ہے: ”جیسی کرنی ویسی بھرنی“۔

اس لیے والدین پر ضروری ہے کہ اپنے حقوق کو ادا کر کے اپنے بچے کی زندگی کو تاب ناک کریں ورنہ انھیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جو والدین اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے مزین کر دیتے ہیں ان کے لیے بہت بڑی خوش خبری ہے کہ کل بروز قیامت انھیں پورے مجمع میں تاج زریں سے نوازا جائے گا، نیز انھوں نے جو خرچ کیا گویا انھوں نے صدقہ کیا اور اس کا انھیں بھرپور ثواب ملے گا۔ اور اگر اولاد بالغ ہو تو ماں باپ شرعاً اپنی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو جاتے ہیں، پھر بھی اگر اپنی اولاد کے حوائج وضروریات کو پورا کریں تو یہ ان کا احسان ہوگا نہ یہ کہ انھوں نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کیا۔

نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں: ”رَحِمَ اللہُ وَالِدًا أعَانَ وَلَدَہٗ عَلٰی بِرِّہٖ“ (1) ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس باپ پر رحم فرمائے جو نیکی پر اپنی اولاد کی مدد کرتا ہے۔

ان کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی چیز اولاد کو دیں تو ان میں برابری

---

(1) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۵۰۲

برتیں۔ آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا:''سَاوُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ''(1) عطیہ دیتے وقت اولاد میں برابری قائم کرو۔ یعنی برابر دو کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ کمی زیادتی میں امتیازی سلوک کی بدولت آپس میں دشمنی کرنے لگیں۔

اولاد کی فضیلت :۔ اولاد کی کثرت سے انسان کو گھبرانا نہیں چاہیے کیوں کہ اولاد خدا کی رحمت ہے ،رزق خدا ہی عطا کرتا ہے اس لیے اولاد کی جانب فاقہ کشی کی نسبت نہیں کرنی چاہیے، کہ اگر اولاد کم ہو تو خوش حال زندگی گزرے گی، ایسا ضروری نہیں ہے۔

خداے تعالیٰ کا فرمان ہے:''نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ج''(2) کہ ہم ہی تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ باپ صرف وسیلہ ہے، جو مقدر میں ہوتا ہے وہی انسان کو ملتا ہے۔

اولاد ایک عظیم دولت ہے جس کی خواہش غریب و ناتواں سے لے کر وقت کے بڑے بڑے بادشاہوں ،امیروں اور رئیسوں بلکہ اللہ کے مقرب بندوں انبیا و مرسلین کو بھی تھی۔ یہ ایک ایسا پودا ہے جس کی جتنی سینچائی کی جائے گی پھل بھی اسی کے مطابق ملے گا، لہٰذا ان کی پرورش اپنے مفاد کے واسطے نہ ہو بلکہ اولاد کی کامیاب زندگی مقصود ہو۔

کہا گیا ہے کہ تمھاری اولاد تمھاری خوشبو ہے انھیں سات سال تک سونگھ! اس کے بعد سات سال تک وہ تمھاری خادم ہوتی ہے پھر وہ تمھاری دشمن ہو گی یا شریک۔(3) کہ سات سال تک وہ غیر مکلف ہوتا ہے پھر اس کے بعد ذرا ہوشیار ہوتی ہے، اگر آپ اسے حکم دیں تو تکمیل کرے گی، اگر آپ کا سلوک اس کے موافق رہا تو شریک یعنی مال و متاع میں ہاتھ بٹائے گی اور اگر ایسا نہیں تو آپ کی دشمن ہو جائے گی۔

☆☆☆

---

(1) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۵۰۲
(2) پ ۸ سورہ انعام
(3) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۵۰۲

زوجین کے حقوق

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ لَمْ یَعْمَلْ بِسُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ'' [1] ترجمہ: نکاح میرا طریقہ ہے پس جس نے میرے طریقے پر عمل نہیں کیا تو وہ مجھ سے لاتعلق ہے۔

اور فرمایا: '' مَنْ کَانَ ذَاطَوْلٍ فَلْیَنْکَحْ'' [2] جو شخص مال دار ہو اسے نکاح کر لینا چاہیے۔

نکاح کرنا واجب ہے جب کہ ڈر ہو کہ اگر نکاح نہیں کرے گا تو زنا میں مبتلا ہو جائے گا، اور جب یقین ہو جائے (زنا میں مبتلا ہونے کا) تو اس پر شادی کرنا فرض ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نان ونفقہ اور حق زوجیت پر قدرت رکھتا ہو۔

جب شہوت کا غلبہ نہ ہو تو نکاح کرنا سنت ہے اگر اس بات کا گمان ہو کہ نکاح کرے گا تو اس کی ضروریات کو پوری نہیں کر پائے گا تو مکروہ ہے اور اگر اس کا یقین ہو تو حرام ہے۔[3]

نکاح میں کفو کا خیال رکھنا چاہیے اور اپنے ہم سروں میں ہی رشتہ جوڑنا چاہیے، اس سے میاں بیوی کے مزاج میں ہم آہنگی اور مناسبت ہوتی ہے اور طرز زندگی میں اختلاف نہ ہونے کے باعث رشتہ ازدواج کی کامیابی کا یقین بڑھ جاتا ہے۔

جب تمام شرائط کے مطابق عقد مناکحت انجام پاتا ہے (شادی ہوتی ہے) تو وہ مرد عورت آپس میں شریک حیات بن جاتے ہیں، اب یہ دونوں دو ہی چیز کے ذریعہ جدا ہو سکتے ہیں

---

(1) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۳ : کتاب النکاح

(2) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۳ : کتاب النکاح

(3) قانون شریعت جلد ۲ ص: ۶۳

(۱) طلاق (۲) موت ۔اگر یہ دونوں نہیں پائے جائیں تو دونوں پر ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی لازم ہوگی۔

خاوند پر بیوی کے حقوق

عورتوں کے ساتھ برتاؤ :۔ عورت کے ساتھ قطعاً زیادتی کے ساتھ پیش نہ آئے،اس سے اچھا سلوک کرے،اور حتی الامکان اس کے ناز نخرے (جو شریعت کے خلاف نہ ہو) برداشت کرے،اس کی غلطیوں کو معاف کردے،کیوں کہ عورت بسا اوقات وہ کام کرتی ہے جس کا اسے علم نہیں اسے ناقص العقل کہے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج "(1) اور ان (عورتوں) سے اچھا سلوک کرو۔

مذکورہ آیت یہی تعلیم دیتی ہے کہ عورتوں سے حسن سلوک کرنا ضروری ہے،اور اس سے ان کی عزت افزائی ہوتی ہے کہ عورتیں دیگر سامانوں کی طرح محض سامان نہیں کہ اسے جس طرح چاہے استعمال کرے،وہ کوئی مشین نہیں کہ جیسے چاہے چلائے۔

زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کا مرتبہ اتنا گرادیا گیا تھا کہ انسانیت شرم سار ہوکر رہ گئی تھی،بچی کی پیدائش باعث عار تھی،ان کی پیدائش پر انھیں زندہ دفن کردیا جاتا تھا،ان کے مابین عدل وانصاف اور نسوانی زندگی کے تقاضوں کا مطلق خیال نہ تھا،صنف نازک کی حیثیت محض ایک سامان تفریح کی طرح رہ گئی تھی،ماں،بہن،بیٹی اور اجنبیہ عورتوں میں کوئی امتیاز نہ تھا،انھیں گھر کے سامانوں میں سے ایک سامان اور نحوست کی علامت تصور کیا جاتا تھا،،عورتوں کا کوئی

---

(1) پ ۴ سورۃ نساء

مقام ومرتبہ نہ تھا،لیکن اسلام نے عورتوں کوخاک سے اٹھاکراوج ثریاپر پہنچادیا،وہ عورت جوکمزوری، مفلسی اور نحوست کی علامت تھی، محمد رسول اللہ ﷺ نے جنت کواس کے قدموں تلے کردیا،اوراسے ہرصورت میں رحمت کاباعث اور عزت کی نشانی قراردیا،بیٹے پراس کی خدمت کو نجات کی شرط بتایا،بیوی ہونے کی صورت میں شوہر کانصف دین محفوظ کردیتی ہے،بیٹی ہے تو عین رحمت ہے،الغرض اتنے حقوق عطاکیے کہ ان کاشمار بھی ایک دشوارامر ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:" هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ" (1) ترجمہ: وہ (عورتیں) تمھارالباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔ تم انھیں ذلیل وخوار نہ سمجھو، اسلام نے جومرتبہ تمھیں دیاہے وہی عورتوں کوبھی دیاہے،اس لیے ان کاپوراحق اداکرو،اوران کے نان ونفقہ کامکمل انتظام کرواور جوان کی ضروریات میں سے ہے،انھیں فراہم کرو۔

ارشادربانی ہے:" وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ " (2) ترجمہ: اور پہلوکے ساتھی سے حسن سلوک کرو(خواب گاہ کی ہم نشین سے بہتر برتاؤکرو)اورعقل کاتقاضابھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ہم سفراور شریک حیات سے بدسلوکی نہیں کرتا،اور اگر کوئی اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتاہے،اس پرظلم وزیادتی اور حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتاہے توبلاشبہہ وہ ظالم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق کی عظمت کے بیان میں فرمایا:" وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۱ " (3) اور ان بیویوں نے تم سے پکاوعدہ لیا۔وعدہ سے مراد نان ونفقہ، سکنیٰ اور وہ چیزیں ہیں جوان کی ضروریات زندگی میں سے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی آخری وصیت تین باتیں تھیں کہ ان کاذکرکرتے کرتے آپ کی زبان

(1) پ۲سورۃ بقرہ
(2) پ۵سورہ نساء
(3) پ۴سورۃ نساء

مبارک موت کی شدت سے لڑکھڑانے لگی اور آپ کی گفتگو میں آہستگی آگئی، آپ ﷺ فرمارہے تھے: نماز کا خیال رکھو، جن لونڈیوں اور غلاموں کے تم مالک ہو ان کا خیال رکھو، اور ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف مت دو، عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! وہ تمھارے ہاتھوں میں قیدی ہیں تم نے انھیں اللہ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کے ساتھ ان کی شرم گاہوں کو حلال کیا ہے۔(1)

اچھے اخلاق اور حسن سلوک کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا بھر کی تمام آسایش کا انتظام کر دے اور ان کو ذرہ برابر بھی تکلیف نہ دے بلکہ حسبِ ضرورت واستطاعت میانہ روی سے کام لے، ان سے آنے والی اذیت اور تکلیف کو برداشت کرنا بھی ایک طرح کا حسن سلوک ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بیوی کی طرف سے اذیت برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے خوش طبعی اور ہنسی مذاق بھی کرے کہ اس سے عورتوں کے دل خوش ہوتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات سے مذاق کیا کرتے تھے''۔(2)

ان کے غصے، جذبات اوران کی نیک خواہشات پر بھی اپنی رضا کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی کسی زوجہ نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپ کو دھکا دیا تو ان کی والدہ نے ان کو ڈانٹا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: انھیں چھوڑ دو! بیویاں تو اس سے زیادہ بھی کرتی ہیں۔(3)

بیویاں اگر کچھ اذیت دیں تو عام بات ہے کیوں کہ ان کی عقل بچوں کی طرح ہوتی ہے، جس طرح بچہ منٹ منٹ پر مزاج بدلتا ہے اسی طرح عورتوں کا بھی حال ہے، اس طرح کی غلطی

---

(1) مسند امام ابن حنبل جلد ۵ ص ۷۳: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۱۰۸

(2) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۱۱۰

(3) صحیح مسلم جلد اول: ص: ۴۸۲

پر انھیں سزا دینا بیوقوفی کے علاوہ کچھ نہیں ۔ بیوی کے ساتھ خوش طبعی کرے، اس سے مذاق کرے، اس لیے کہ اس کے ذریعہ اس کا دل خوش ہوتا ہے، اور یہ اس کے حق میں سب سے اچھا ہے۔

آقا علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ارشاد فرمایا: ''خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِنِسَائِہٖ وَأنَا خَیْرُ کُمْ لِنِسَائِیْ'' (1) ترجمہ: تم میں سے سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیویوں کے لیے اچھا ہے، اور میں اپنی بیویوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنی بیوی کی بد خلقی پر صبر کیا اللہ تعالیٰ اسے مصائب پر حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام کے صبر کے اجر کے برابر اجر دے گا''۔ (2)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت مزاج ہونے کے باوجود فرماتے ہیں: ''آدمی کو اپنے گھر میں بچے کی طرح رہنا چاہیے یعنی گھر میں سخت مزاج نہ ہو۔ (3)

ایک حدیث میں آقا ﷺ فرماتے ہیں: ''إنَّ اللّٰہَ یَبْغُضُ الْجَعْظَرِیَّ الْجَوَّاظَ'' (4) ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ سخت مزاج اور متکبر کو ناپسند فرماتا ہے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''لَایَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَاالْجَعْظَرِیُّ'' (5) ترجمہ: متکبر اور سخت مزاج جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں پر سخت اور ذاتی طور پر متکبر ہو۔

شیطانی داؤ :۔ لیکن خوش خلقی اور بیوی کی خواہش کی تابع داری میں اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ مریدِ زن (عورت کا مرید) بن کر رہ جائے۔

(1) سنن ابن ماجہ ص ۱۴۳: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۱۱۱
(2) مکاشفۃ القلوب ص: ۵۱۱
(3) صحیح مسلم جلد ۲ ص: ۳۸۲
(4) صحیح مسلم جلد ۲ ص: ۳۸۲
(5) سنن ابوداؤد جلد دوم: ص ۲۶۱

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ” بیوی کا غلام ہلاک ہوا “۔ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کی غیر شرعی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، اس کے ناجائز مشورے پر کام کرتا ہے اور اس کی ہر بات کو (چاہے جائز ہو یا ناجائز) خوشی خوشی تسلیم کرتا ہے گویا بیوی کا غلام ہے۔ اور شیطان زیادہ تر اپنا داؤ عورت کے ذریعے ہی چلاتا ہے اور اپنا جال عورت کو ہی بناتا ہے، اس لیے اس کے غیر شرعی نازونخرے اور خواہشات کی طرف متوجہ نہ ہو ورنہ ہلاکت کے گڑھے میں جاگرے گا۔ اس لیے کہ اس نے (شوہر) ” اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ “ (1) مرد حاکم ہے عورت پر) کے خلاف کر کے اپنا مالک؛ عورت کو بنا دیا ہے، اور اسی کی وجہ سے شیطان کے تیر کا شکار بن گیا، اور اس کا کام ہی خدا کے حکم کی نافرمانی کرنا اور کرانا ہے۔

جیسا کہ اس کا وعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے، فرمان الٰہی ہے: ” وَ لَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ “ (2) میں انھیں (انسان کو) ضرور ضرور حکم دوں گا تو وہ خلق خدا کو بدل ڈالیں گے۔

یعنی میں انسان کو طرح طرح سے بہکاؤں گا اور انھیں اللہ کی نافرمانی پر آمادہ کروں گا، اس کام میں اس کے لیے عورت بہت ہی مفید ہے، اس لیے اسے (بیوی کو) اتنی چھوٹ نہ دیں کہ وہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی پرواہ نہ کرے۔

ایک بات :۔ شوہر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسی چیز سے پرہیز کرے جس سے بیوی سخت غضب ناک ہو جائے ۔ مگر فرائض و واجبات میں اس کی ناپسندیدگی کے باوجود سختی کرے اور ادائیگی پر مجبور کرے۔ خرچ وغیرہ میں درمیانی راہ اختیار کرے یعنی نہ ہی زیادہ اور نہ ہی کم؛ کیوں کہ دونوں میں ضرر کا امکان ہے۔ ایک سے زائد بیوی ہو تو ان کے درمیان انصاف کرے۔

---

(1) پ ۵ سورہ نساء

(2) پ ۵ سورہ نساء

تنبیہ :۔ مرد کے لیے یہ زیادہ مناسب ہے کہ وہ عورت کے متعلق چند ضروری مسائل سے واقف ہو مثلاً: حیض، نفاس میں وطی کا کیا حکم ہے ؟حیض کی مدت کتنی ہے اور نفاس کی کتنی ؟طلاق کی کتنی قسمیں ہیں ؟ بہتر کون سی طلاق ہے ؟وغیرہ وغیرہ۔

بیوی پر خاوند کے حقوق

حضرت ام سلمہ رضِی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے،آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:"أَيَّمَا اِمْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ"(1) ترجمہ: جو عورت اس حال میں وفات پائے کہ اس کا خاوند اس سے راضِی ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔

وہ اس لیے کہ اطاعت کی قسموں میں ایک یہ بھی ہے کہ عورت نکاح کرے تو خاوند کو راضِی رکھے، شوہر جو بھی حکم دے اس کو دل وجان سے پورا کرے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ حکم غیر شرعی نہ ہو۔ وہ نفل روزہ رکھنا چاہے تو اس (خاوند) سے اجازت طلب کرے بغیر اجازت رکھ لیا تو قابل قبول نہیں۔(2)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضِی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنو خثعم کی ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت آئی اور کہا :میں غیر شادی شدہ ہوں اور شادی کرنا چاہتی ہوں، بیوی پر کیا حقوق ہیں ؟تو آپ ﷺ نے فرمایا: :بیوی پر خاوند کا یہ حق ہے کہ جب وہ اس کا ارادہ کرے اس وقت بیوی اونٹ کی پیٹھ پر ہو تب بھی اسے نہ روکے۔(3)

خاوند کا یہ بھی حق ہے کہ بیوی اس کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ

---

(1) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۳ کتاب النکاح

(2) مکاشفۃ القلوب ص ۵۱۷

(3)

دے، اگراس نے بلا اجازت کچھ دے دیا تو گنہ گار ہوگی۔

بیوی پر یہ بھی حق ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے اور اگر اس نے ایسا کیا تو وہ بھوکی پیاسی رہی اور اس کا روزہ قبول نہ ہوگا اور اگر گھر سے خاوند کی اجازت کے بغیر نکلی تو جب تک واپس نہ ہو جائے یا توبہ نہ کرے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔(1)

وفادار عورت وہی ہے جو نیک کام بھی اپنے خاوند سے اجازت لے کر کرے اور اس کے حکم پر لبیک کہے۔

اس کے حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ وہ حاجت کے علاوہ دوسری چیز کا مطالبہ نہ کرے۔

فرماں برداری کا صلہ:۔ خاوند کی فرماں برداری بھی ایک عبادت اور جہنم سے چھٹکارے کا ذریعہ ہے، اس کے اس عمل سے اس کے خاندان والے بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ”ایک شخص سفر پر روانہ ہوا اور اس نے اپنی بیوی سے عہد لیا کہ وہ اوپر سے نیچے نہ اترے، اس کا باپ نیچے رہتا تھا، وہ بیمار ہو گیا، اس عورت نے حضور ﷺ کی خدمت میں آدمی بھیج کر باپ کے پاس جانے کی اجازت طلب کی، حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے خاوند کی اطاعت کر، پھر وہ مر گیا، عورت نے پھر اجازت طلب کی، تو حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اپنے خاوند کی اطاعت کر، اس کے باپ کو دفن کر دیا گیا، حضور ﷺ نے اسے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کی اطاعت کی وجہ سے اس کے باپ کو بخش دیا ہے“۔(2)

علامہ شہاب الدین قلیوبی اس تعلق سے ایک حکایت نقل کرتے ہیں:

حکایت:۔ بنی اسرائیل کا ایک شخص سخت بیمار ہو گیا، اس کی ماں نے نذر مانی کہ اگر میرا

---

(1) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۳۳۹: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص ۱۴۴

(2) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۱۳: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۱۴۳

بیٹا شفایاب ہوجائے گا تومیں سات دن کے لیے دنیا سے باہر چلی جاؤں گی، شفا تو پا گیا لیکن اس کا وعدہ پورا نہ کرنے پر وہ دوبارہ بیمار ہو گیا، یہ دیکھ کر عورت نے سارا ماجرا اپنے بیٹے سے بیان کیا تو بیٹے نے اس کے کہنے پر ایک قبر کھود کر اس کے اوپر مٹی ڈال دی اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے گھر روانہ ہو گیا۔

جب عورت پر اندھیرا چھا گیا تو ادھر ادھر دیکھنے پر سوئی کے نوک کے برابر ایک سوراخ نظر آیا اور غور کرنے پر اس نے دو عورتوں کو دیکھا جو اس کو اپنے پاس بلا رہی تھیں، چنانچہ یہ سوچ میں پڑ گئی تو ان دونوں نے کہا کہ سوراخ کے قریب ہو جا۔ جوں ہی قریب ہوئی تو سوراخ بڑا ہو گیا اور وہ اس پار چلی گئی، اس نے دونوں کے سر پر ایک ایک پرندہ دیکھا کہ ایک کے سر پر وہ اپنے پر سے پنکھا جھیل رہا تھا اور دوسرے کے سر پر دوسرا پرندہ چونچ مار رہا تھا، دریافت کرنے پر کہا کہ ہم دونوں کو یہ جگہ عبادت، طہارت اور بندگی کے عوض ملی، اور پرندہ جو پنکھا جھیل رہا ہے، شوہر کی فرماں برداری کے عوض دیا گیا، اور جو چونچ مار رہا ہے شوہر کی نافرمانی کی وجہ سے مسلط کیا گیا ہے۔

تب دوسری عورت نے کہا اے بہن جب تم دنیا میں واپس جانا تو فلاں شہر میں میرے شوہر رہتے ہیں ان سے کہنا کہ وہ مجھے معاف کر دے۔

جب عورت کا وعدہ پورا ہو گیا اور اس کے بیٹے نے اسے نکالا تو سارے لوگ اس کی کرامت کو دیکھ کر جمع ہوئے جن میں اس فوت شدہ عورت کا شوہر بھی تھا، اس نے شوہر کو اس کی بیوی کا سارا واقعہ بیان کیا اور معاف کر دینے کو کہا، اس نے معاف کر دیا۔

دوسرے دن اس خاتون نے اس عورت کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس عذاب سے چھٹکارا پا چکی ہے۔(1)

نافرمانی پر وعیدیں :۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ

---

(1) کتاب القلیوبی حکایت نمبر ۷

فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: " جب دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو اذیت پہنچاتی ہے تو جنتی حور جو آخرت میں اس کی زوجہ بننے والی ہے کہتی ہے: اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے! اسے اذیت نہ دے یہ ہمارے پاس آنے والا ہے۔ الخ" (1)

شوہر کا مرتبہ:۔ شوہر اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جس کے ذمہ اللہ نے بیوی کا نان ونفقہ اور دیگر ضروریات کی تکمیل رکھی ہے، شوہر وہ ہستی ہے جو عورت کا ہاتھ تھام کر پوری زندگی کا سفر طے کرتا ہے، اس تک آنے والی ہر آنچ اور اس کی طرف اٹھنے والے ہر ہاتھ کے سامنے سپر (ڈھال) بن کر کھڑا ہوتا ہے، اس کے آرام وخوشی کی خاطر اپنا چین وسکون قربان کر دیتا ہے، عورت اور اس کے نور نظر کی ضروریات زندگی کی خاطر اپنا خون جگر جلا دیتا ہے۔ مشقتوں کے کبھی نہ ختم ہونے والے صحرا کا راہی اور جاں سوزی کی اندھیری رات کا مسافر ہوتا ہے۔

ایک شوہر کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی حسین ترین شئے لاکر اپنی شریک حیات پر نچھاور کر دے، جب اولاد بڑھاپے میں ساتھ چھوڑ جاتی ہے، تو مرد اس وقت بھی اسے سہارا فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ دو روحوں کا تعلق ہوتا ہے، جسمانی کشش کا تو اس وقت شائبہ تک نہیں ہوتا، وہ مرحلہ زندگی کے اس طویل سفر میں دور، بہت دور پیچھے رہ جاتا ہے، مگر پھر بھی عورتیں یہ سمجھتی ہیں کہ شوہر نے ان کے لیے کبھی کچھ نہیں کیا، وہ اپنے آقایان نعمت (شوہر) کی ناشکری اور ان پر لعن وطعن کرتی دکھائی دیتی ہیں، اور شوہر کے ساتھ یہی سلوک ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بنتا ہے۔

چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "میں نے جہنم میں جھانکا تو عوتوں کو زیادہ پایا، عرض کیا گیا کیوں یا رسول اللہ ﷺ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ لعن طعن زیادہ کرتی ہیں اور خاوند کی ناشکری کرتی ہیں"۔ (2)

---

(1) سنن ابن ماجہ ص۱۴۶ بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۱۴۸

(2) صحیح بخاری جلد اول: ص ۱۴۴ بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص ۱۴۳

حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہوجاتا ہے کہ شوہر کا مرتبہ کیا ہے؟ ان کی فرماں برداری اور نافرمانی کا صلہ کیا ہے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''لَوْأَمَرْتُ أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ يَسْجُدَ لِزَوْجِهَا'' (1) ترجمہ: اگر میں کسی کے لیے سجدے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیوں کہ اس کا اس عورت پر بڑا حق ہے۔ مگر خدا کے سوا کسی کے لیے سجدہ جائز نہیں۔

دوسری حدیث میں آقا ﷺ فرماتے ہیں: ''وَالَّذِیْ نَفْسَ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَاتُؤَدِّیْ الْمَرْأَۃَ حَقَّ رَبِّھَا حَتّٰی تُؤَدِّیْ حَقَّ زَوْجِھَا وَلَوْسَاَلَھَا نَفْسَھَا وَھِیَ عَلٰی قَتَبٍ لَمْ تَمْنَعْہُ'' (2) ترجمہ: اس کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ عورت اس وقت تک اپنے رب کا حق ادا نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ اپنے شوہر کا حق ادا نہ کردے ، اور اگر وہ (شوہر) اسے طلب کرے اور عورت اونٹ کے اوپر ہو پھر بھی اسے منع نہ کرے۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے ان دونوں ارشادوں سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ شوہر کا مقام و مرتبہ اور اس کی عظمت کیا ہے؟

ایک عورت خدا اور رسول کے بعد کسی سے محبت کرے تو وہ ہے شوہر، اس لیے اسلامی ماں بہنوں پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ حسن سلوک کریں اور اس کے مقام و مرتبے کو پہچانے۔

آپسی معاملہ:۔ اگر آپسی معاملات میں کچھ تنازع ہو جائے تو آپس میں معاملے کو الجھانے کی کوشش نہ کریں اور آپسی معاملے کو اپنے تک ہی محدود رکھیں ، اس لیے جب کوئی معاملہ عوام کے درمیان آتا ہے تو صلح کی امید بہت کم ہوتی ہے، فساد کی رو بہت جلدی اختیار کرلیتا

---

(1) سنن ابن ماجہ ص: ۱۳۳

(2) سنن ابن ماجہ ص: ۱۳۳

ہے اور یہاں تک کہ طلاق کی نوبت آجاتی ہے۔ اگر معاملہ نہ سلجھ پائے توقرآن حل کی ترکیب بیان فرماتا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوا:" اگر مرد کو اصلاح پر قدرت حاصل ہو تو عورت کو سمجھائے ورنہ خواب گاہ (بستر) جدا کرلے، اس پر بھی معاملے حل نہ ہو تو ہلکی ضرب لگائے (مارے) اگر اس سے معاملہ کا حل نکل آئے توفبہا ورنہ حل کی آخری اور موئثر شکل یہ ہے کہ مرد و عورت کی جانب سے ایک ایک فیصل منتخب کیے جائیں، جو دونوں کے نمائندے بن کر گفتگو کریں اور ان کے فیصلوں کو دونوں فریق کو ماننا ضروری ہوگا ۔قرآن فرماتا ہے: کہ یہ طریقہ اگر نیک نیتی کے ساتھ عمل میں لایا جائے تو یقیناً اللہ کی مدد اور نصرت حاصل ہوگی۔

رشتہ داروں کے حقوق

جس طرح اولاد، والدین اورزوجین کے حقوق ہیں اسی طرح رشتہ داروں کے بھی حقوق ہیں جنھیں ادا کرنا ہم پر لازم وضروری ہے۔

پڑوسی رشتہ دار سے مستثنیٰ ہے۔ جو رشتہ دار پڑوسی بھی ہو تو اس کی فضیلت اورزیادہ ہے۔

ہمیں رشتہ داروں کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اور یہ قرآن سے بھی ثابت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَ الۡاَرۡحَامَ ؕ'' (1) ترجمہ: اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتہ داروں کا لحاظ رکھو۔

رشتہ داری کے فائدے:۔ رشتہ اللہ پاک کی نعمت عظمیٰ ہے، یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعے آدمی انس حاصل کرتا ہے، انسان کی فطرت اللہ نے ایسی بنائی ہے کہ وہ یکتا وتنہا ہو تو وحشت محسوس کرتا ہے، جب ہم جنس کو دیکھتا ہے تو امید کی کرن نظر آتی ہے اور اگر ان کے ساتھ اس کا کوئی تعلق بھی ہو تو بے حد مسرور اور شاداں وفرحاں ہوتا ہے، رشتے دار انسان کے دست وبازو ہوتے ہیں، انسان ظلم کے خلاف رشتے دار اور اہل قرابت کو ایک عظیم آسرا تصور کرتا ہے۔

انسان رشتوں کے بغیر دنیا میں جی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت کے اختلاط پر نسل انسانی کی بقا موقوف فرمائی۔ چنانچہ ہر پیدا شدہ ذی روح کے لیے لازماً کم ازکم ماں باپ کا رشتہ ضرور ہوتا ہے، پھر آدمی خود نکاح کرتا ہے، اور اسے ابوت (باپ) کا درجہ حاصل

---

(1) پ: ۴ سورہ نساء: آیت 1
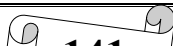
ہوتا ہے، لہٰذا انسانی زندگی کے لیے رشتہ ضروری ہے۔

ماں باپ کا رشتہ ایسا ہے جو آدمی کے لیے ہر بلا سے سپر (ڈھال) اور غموں کی دھوپ میں ٹھنڈی چھاؤں کا کام دیتا ہے، انسان انھیں کی آغوش میں شیر خوارگی (دودھ پینے کے زمانے) سے جوانی تک کا سفر طے کرتا ہے۔ دادا، دادی، نانا، نانی یہ رشتۂ اصول بھی انھیں الطاف کریمانہ کی جھلک ہمیں دکھلاتے ہیں۔ بھائی بہن، اولاد، دیگر عصبات اور اہل قرابت ورحم آدمی کے احوال خیر و شر اور زندگی کے تاریک سفر میں ہم نشیں ہیں۔

رشتوں کا تقدس اور ان کی اہمیت و عظمت فطرت انسانی از خود محسوس کرتی ہے۔ اور رشتے کا دینی فائدہ یہ ہے کہ انسان کے رشتے دار اگر نیک ہوں تو تبلیغ دین میں بڑی معاونت (مدد) ملتی ہے، اور اگر باعمل ہوں تو اہل قرابت کو راہ راست پر لا کر وسیلۂ نجات فراہم کر سکتا ہے۔

رشتہ توڑنے کا صلہ:۔ رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا بہت بڑا لعین و مردود ہے، اس کے لیے دنیا میں ذلت اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: "فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾"(1) ترجمہ: توکیا تمھارے یہ ڈھنگ نظر آتے ہیں اگر تمھیں حکومت ملے تو تم زمین پر فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتہ قطع کر دو، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی، جنہیں حق سننے سے بہرہ اور حق دیکھنے سے اندھا کر دیا۔

یعنی اس آیت میں رشتہ توڑنے والا وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی اور وہی حق سننے سے بہرہ اور دیکھنے سے اندھا ہے، جو نہ سیدھی راہ پر ہیں اور نہ ہی رہیں گے (الا ماشاء اللہ) مگر جسے خدا محفوظ رکھے۔ اور جو حق پر نہیں، جس پر اللہ کی لعنت ہو وہ مستحقِ عذاب الیم ہے۔

---

(1) پ۲۶ سورہ محمد

اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ارشاد فرمایا: ''لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ'' (1) کہ رشتہ توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(جنت میں نہیں جائے گا)

اللہ تبارک وتعالیٰ رشتے کی حفاظت کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے، انھیں ہدایت دیتا ہے، اوران پر خدا کی خاص رحمتیں ہوتی ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ رشتہ ملانے اور جوڑنے کا حکم فرماتا ہے۔ جو مذکورہ آیت سے واضح ہوا ہے۔

فرمان خداوندی ہے: ''الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾'' (2) ترجمہ: جو اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو توڑتے ہیں، اور جس چیز کے ملانے کا رب نے حکم دیا ہے اس سے قطع تعلق کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں وہی لوگ نقصان میں ہیں۔

اس آیت کریمہ سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں کہ حفاظت رحم (رشتہ کی حفاظت) کا اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی وعدہ لے لیا ہے۔

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز بہت اہم ہے جس کی حفاظت ایمان کی پختگی کی علامت ہے، اور قاطع رحم (رشتہ توڑنے والا) اس عہد کو توڑنے والا ہے، نیز اس سے زمین میں فساد برپا ہوتا ہے، جو آیت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ اور جو شخص عہد خداوندی کو توڑنے، ٹالنے والا اور مخلوق خدا کو ستانے والا ہے تو یقیناً اس کا ٹھکانہ بہت برا ہے، جو ناقابل بیان ہے۔

قطع رحم کے باعث غضب خدا:۔ جو شخص اپنے رشتہ دار سے بلاوجہ شرعی قطع تعلق کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے نظر رحمت پھیر لیتا ہے۔ (اپنی رحمت روک لیتا ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(1) صحیح بخاری جلد دوم: ص: ۸۸۵

(2) پ ا سورہ بقرہ

نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش پایۂ تکمیل تک پہنچادی تو قرابت (رشتہ داری) نے کھڑے ہو کر عرض کیا میں تیری پناہ چاہتی ہوں قطع رحمی سے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھ سے تعلق جوڑے میں اس سے تعلق جوڑوں گا (اس پر میری رحمت ہوگی) اور جو تجھ سے قطع کرلے گا میں اس سے قطع کرلوں گا (اپنی رحمت روک لوں گا) اس نے کہا میں راضی ہوں۔(1)

اللہ تعالیٰ اپنے حقوق یعنی نماز، روزہ، حج، زکات وغیرہ ترک کر دینے سے بندے کو محض اپنی رحمت سے معاف تو کر سکتا ہے، لیکن قطع رحمی (رشتہ توڑنا) کرنے والے کو کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔

خدائے تعالیٰ نے چند ہی چیزوں کا انسان سے وعدہ لیا ہے، جن کا پچھلی امتوں کو بھی حکم دیا گیا تھا جن کا پورا کرنا انسان پر لازم و ضروری ہے، جن میں سے ایک صلہ رحمی بھی ہے۔

ارشاد ربانی ہے: الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾“ (2) ترجمہ: جو اللہ سے کیے ہوئے وعدے کو توڑتے ہیں، اور جس چیز کے ملانے کا رب نے حکم دیا ہے اس سے قطع تعلق کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں وہی لوگ نقصان میں ہیں۔

اس آیت کے تعلق سے خزائن العرفان میں بیان ہے: ”رشتہ و قرابت کے تعلقات، مسلمانوں کی دوستی و محبت، تمام انبیا پر ایمان لانا، تمام کتب الٰہیہ کی حقانیت پر جمع ہونا، یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ملانے کا حکم فرمایا گیا ہے“۔(3)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بغاوت

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص: ۴۱۹

(2) پ ۱ سورہ بقرہ

(3) کنزالایمان مجلس برکات

اور قطع رحمی دو ایسے گناہ ہیں جن پر دنیا اور آخرت میں عذاب دیا جائے گا" (1)
اور آگے فرمایا: قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔(2) (رشتہ توڑنے والا)
نماز چھوڑنے یا کوئی غلطی پر خدا اس کی گرفت دنیا میں بہت ہی کم فرماتا ہے اور دنیا میں فوری گرفت اسی کی ہوتی ہے جو برگزیدہ (نیک) بندہ ہوتا ہے، اور جو گناہوں کا عادی ہو رب تعالیٰ اسے ڈھیل دیتا ہے تاکہ وہ اپنی حد تک پہنچ جائے پھر اسے آخرت میں سزا ملے گی۔
مگر قطع رحمی ایک ایسا گناہ ہے جس پر گرفت دنیا و آخرت دونوں جگہ ہوتی ہے اور سز او جزا بھی۔
قطع رحمی بہت بڑا جرم ہے، اس لیے اس رشتے کی حفاظت بہت ہی ضروری ہے اس کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں، جتنا چاہے حج کر لے، متقیوں کی صف میں شمار نہیں ہو سکتا، زکات کے انبار لگا دے مگر بے سود ہو گا، سالوں سال روزہ رکھے زاہد بن نہیں سکتا، ان سب کے لیے صلہ رحمی نہایت ہی ضروری ہے۔
حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: مسند احمد میں ہے کہ انسانوں کے اعمال ہر جمعرات بارگاہ الٰہی میں پیش کیے جاتے ہیں مگر قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ (3)

رشتہ کمال ایمان کا جز:۔ ہمارے لیے رشتوں کو برقرار رکھنا بہت ہی ضروری ہے کیوں کہ ایمان کی تکمیل اس پر بھی موقوف ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَصِلْ رِحْمَهٗ " (4) یعنی جو شخص اللہ اور روز

(1) مکاشفۃ القلوب: ص: ۱۷۱
(2) مکاشفۃ القلوب: ص: ۱۷۱
(3) مکاشفۃ القلوب: ص: ۱۷۱
(4) صحیح بخاری: بحوالہ ریاض الصالحین ص: ۹۹ مجلس برکات

قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ صلہ رحمی کرے۔(رشتہ جوڑے)

اس حدیث سے صاف صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور یوم آخرت کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی بھی ضروری ہے کیوں کہ یہ بھی کمال ایمان میں داخل ہے۔

سوال :۔ہم کیسے صلہ رحمی کریں، اس کا اصل طریقہ کیا ہے؟

جواب :۔جب رشتے دار ملے تو اسے سلام کرو، اس کی خیریت دریافت کرو یعنی جیسا اولاد اور دیگر متعلقین کے ساتھ سلوک کرتے ہو ویسا ہی سلوک ان کے ساتھ بھی کرو!

اگر وہ مسکین ہے (رشتہ دار) تو اسے زکات، صدقہ دینے سے دوہرا ثواب ملتا ہے، جیساکہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:''أَلصَّدَقَةُعَلی الْمِسْکِیْنِ صَدَقَةٌ وَعَلی ذِیْ الرَّحِمِ ثِنْتَانِ'' (1) ترجمہ: مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینے میں دوگنا ثواب ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن پاک کی آیت پر عمل کرتے ہوئے اپنا پسندیدہ باغ صدقہ کرنے کا ارادہ کیا اور بارگاہ نبوی میں عرض گزار ہوئے: یارسول اللہ ﷺ! یہ فی سبیل اللہ اور فقرا و مساکین کے لیے ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تمھارا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم میں واجب ہو گیا، اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کردو! (2)

یعنی اگر رشتہ دار غربا و مساکین میں سے ہوں اور زکات و صدقات دوسروں کو دے دیا تو یہ بھی ایک طرح کی حق تلفی ہے، کیوں کہ ان کے سب سے زیادہ مستحق رشتہ دار ہی ہوتے ہیں۔

سوال:۔اگر آپ کہیں کہ فلاں شخص مجھ سے رشتہ توڑتا ہے، میں اس سے کیسا سلوک کروں؟اور اسے صدقے کا مال دینا کیسا ہے؟

---

(1) سنن ابن ماجہ ص: ۱۳۳

(2) صحیح بخاری جلد اول:ص: ۱۹۷

جواب :۔ آقا علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: ”أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ عَلَى ذِيْ الرَّحِمِ الْكَاشِحِ“ (1) ترجمہ: بہترین صدقہ وہ ہے جو پوشیدہ عداوت رکھنے والے رشتہ دار کو دیا جائے۔

یعنی جو صدقہ اپنے رشتہ دار کو دیا جائے وہ بہتر ہے اگرچہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ اس سے اس کی کدورت دور ہو جائے گی اور اس کے دل میں رحم پیدا ہو جائے گا، جو کہ اس کی اخروی کامیابی کی دلیل ہے۔

رہی بات تعلق توڑنے والے کی تو اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”أَفْضَلُ الْفَضَائِلِ أَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَكَ وَتُعْطِيَ مَنْ حَرَمَكَ وَتَصْفَحَ عَمَّنْ ظَلَمَكَ“ (2) ترجمہ: سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ تم اس سے صلہ رحمی کرو جو تم سے قطع تعلق کرتا ہے، اسے دو جو تمھیں محروم رکھتا ہے اور ظالم کو معاف کر دو!

اپنے فرائض کو انجام دینا ہمارا اصل مقصد ہے، ہمیں اپنا کردار نبھانا ہے خواہ دوسرا ہم سے بغض و حسد ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔

حدیث رسول ﷺ ہے: ”صلہ رحمی ہی ایک ایسا امر ہے جس کا ثواب جلدی ملتا ہے اور اس سے مال و دولت میں اضافہ ہوتا ہے اگرچہ گھر والے بدکار ہوں "(3)

سوال :۔ اگر رشتے دار بد عقیدہ و بد مذہب ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ دنیاوی معاملات میں اس کا ساتھ دیں، مدد کریں، اس کے ساتھ حسن سلوک کریں اور ان کی ضرورت بھی پوری کریں۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت اسما بنت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں: میری ماں میرے پاس آئی تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میری ماں میرے پاس آئی ہے حالاں کہ وہ مشرکہ ہے (اس وقت آپ کی ماں ایمان نہیں لائی تھی) کیا میں اس کے ساتھ صلہ

(1) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ :ص: ۴۰۲ :بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم:ص:۴۹۹

(2) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ :ص: ۴۳۸:بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم:ص: ۴۹۹

(3) شعب الایمان ج: ٦ :ص: ۲۳۶:بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم:ص:۴۹۸

رحمی کروں ؟تو آپ ﷺ نے فرمایا: کرو! (1)

صلہ رحمی سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ایک رشتہ دار و غیرہ کے لیے ضروری ہے۔ مطلب یہ کہ تم ان کے ساتھ وہی سلوک کرو جو مومن رشتہ دار کے ساتھ کرتے ہو۔ ہاں ! یہ معاملات صرف دنیاوی ہوں عقائد میں کوئی بات قابل قبول نہیں ، اس لیے کہ ان کا عقیدہ باطل ہے، مگر حتی الامکان کوشش ہو کہ ان کو سیدھی راہ پر لائے ، اور یہ صلہ رحمی اور حسن سلوک کے ذریعے بآسانی ممکن ہے۔

ہر مومن کے لیے ضروری ہے کہ اپنے رشتے دار کو غنیمت سمجھے۔ کیوں کہ کچھ ایسے بھی خدا کے بندے ہیں جو رشتے جیسی عظیم نعمت سے محروم ہیں، ایسوں کو رشتے کی بہت زیادہ کمی محسوس ہوتی ہے اور افسوس کر کے رہ جاتے ہیں۔

رشتہ بنانے سے بنتا ہے اور توڑنے سے ٹوٹ جاتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”رشتے خون کے نہیں بلکہ احساس کے ہوتے ہیں، اگر احساس ہو تو اجنبی بھی اپنے ہو جاتے ہیں، اگر نہ ہو تو اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں“ ۔

رشتہ داروں میں عیب جوئی نہیں کرنی چاہیے، کیوں کہ عیب سے کوئی عام انسان خالی نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”رشتے کی خوب صورتی ایک دوسرے کی بات کو برداشت کرنے میں ہے، بے عیب انسان تلاش کرو گے تو اکیلے رہ جاؤ گے "

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اَلرِّحْمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللهُ“ (2) ترجمہ: رشتہ عرش سے لٹکا ہوا ہے اور کہتا ہے کہ جس نے مجھے ملایا اللہ اسے ملائے ، جو مجھے کاٹے تو اللہ تعالیٰ اسے کاٹے۔

☆ ☆ ☆

---

(1) صحیح بخاری جلد دوم: ص: ۸۸۴ کتاب الادب

(2) مشکاۃ المصابیح ص: ۴۱۹

ہم سایہ کے حقوق

اسلام میں جس طرح عام مسلمانوں ،رشتہ داروں کا حق ہو تا ہے اسی طرح دیگر متعلقین کے حقوق بھی ہیں مثلاً: ہم سایہ(پڑوسی)کے حقوق۔

ان کے ساتھ حسن سلوک کرنااور جیسابرتاؤرشتہ دار،اولاد اور عام مسلمانوں کے ساتھ کیا جانا چاہیے بعینہ پڑوسی کے ساتھ بھی لازم وضروری ہے،بلکہ پڑوسی کے حقوق ان سے بڑھ کر ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" أَلْجِيْرَانُ ثَلَاثَةٌ جَارٌ لَهٗ حَقٌّ وَاحِدٌ وَجَارٌ لَهٗ حَقَّانِ وَجَارٌ لَهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ فَالْجَارُ الَّذِیْ لَهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ أَلْجَارُ الْمُسْلِمُ ذُوْالرَّحِمِ فَلَهٗ حَقُّ الْجَوَارِ وَ حَقُّ الْإِسْلَامِ وَ حَقُّ الرَّحِمِ وَ أَمَّا الَّذِیْ لَهٗ حَقَّانِ فَالْجَارُ الْمُسْلِمُ لَهٗ حَقُّ الْجَوَارِ وَ حَقُّ الْإِسْلَامِ وَأَمَّاالَّذِیْ لَهٗ حَقٌّ وَاحِدٌ فَالْجَارُ الْمُشْرِكُ" (1) ترجمہ: پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس کا ایک ہی حق ہے، دوسرا وہ جس کے دو حق ہیں اور تیسری قسم وہ ہے،جس کے تین حق ہیں،جس کے تین حق ہیں،وہ ایسا پڑوسی ہے جو مسلمان کے ساتھ ساتھ قریبی رشتہ دار بھی ہو تواس کے لیے ہم سائیگی،اسلام اور رشتہ داری کا حق ہے،جس کے دو حق ہیں وہ ایسا پڑوسی ہے جو صرف مسلمان ہو تواس کے لیے ہم سائیگی اور اسلام کا حق ہے اور جس کا صرف ایک ہی حق ہے تو وہ مشرک پڑوسی ہے جس کے لیے صرف پڑوس کا حق ہے۔

اسلام ایسا مذہب ہے جس میں فرقہ پرستی،فتنہ وفساد کا شائبہ تک نہیں ،ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا،چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو اور یہیں تک محدود نہیں کہ

(1) حلیۃ الاولیا جلد۵ ص: ۲۰۷ :بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم:ص:۴۹۱

صرف مصیبت میں آپ اس کی مدد کریں یا صرف تکلیف میں اس کا ساتھ دیں، بلکہ اس کا ہر حال میں ساتھ دیں، چاہے وہ خوش رہیں یا غمگین، اور ان سے تکلیف دہ چیز کو دور کریں، چاہے وہ کانٹا ہی کیوں نہ ہو، اور اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، کیوں کہ اس کے بارے میں بھی قیامت کے دن پوچھ تاچھ ہوگی اور یقین ہے کہ اس کے خلاف کرنے والے کی گرفت بھی کی جائے گی۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ہم سایہ سے دکھ اور دکھ دینے والی چیزوں کو دور رکھنے کے علاوہ اور بھی حقوق ہیں: وہ یہ کہ اس کے ساتھ نرمی اور حسن سلوک سے پیش آتا رہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن فقیر ہم سایہ مال دار ہم سائے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے کہے گا، اے اللہ! اس سے پوچھ اس نے اپنا عطیہ مجھ سے کیوں روکے رکھا تھا اور اپنا دروازہ مجھ پر کیوں بند کیا تھا“۔(1)

سوال:۔ آپ کہیں کہ مسلمان ہم سائے کے حقوق کی تو ہم حفاظت کریں گے لیکن مشرک کہ اس کا نہ تو خدا پر ایمان ہے اور نہ ہی قیامت کے دن پر، تو اس کی حفاظت کیوں کر ہم کریں؟

جواب:۔ کسی کا اعتقاد کچھ بھی ہو لیکن ہمارا تو عقیدۂ مستقیمہ ہے کہ خدا ایک ہے، قیامت برپا ہوگی اور سوال و جواب ہوں گے، اجر و ثواب اور عذاب دیئے جائیں گے تو کیوں نہ ہم اپنی مکمل تیاری کرلیں ورنہ چھوٹی سے چھوٹی غلطی پر بھی ہماری گرفت ہوسکتی ہے، اور سارا عمل برباد ہوسکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم اس کے ساتھ بھلائی، حسن سلوک اور اس کے اہل و عیال کی عزت، گھربار کی دیکھ بھال کریں اور اس کی خوشی و غم میں ساتھ دیں تو ہوسکتا ہے، اسے ہمارا یہ اخلاق و کردار پسند آئے اور وہ مشرف بہ اسلام ہوجائے تو اس کا ثواب ہم کو بھی ملے گا، نیز اسلام پھیلانے کا اصل طریقہ بھی یہی ہے کہ اخلاق کا استعمال و مظاہرہ کریں۔

---

(1) مکاشفۃ القلوب ص: ۵۹۷

حسن اخلاق :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخلاق کی تلوار سے اسلام پھیلایا، آپ ﷺ کی پوری زندگی حسن اخلاق کا ایک حسین نمونہ ہے۔

ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک بڑھیا نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت سے پریشان ہو کر شہر سے جنگل جانے کا فیصلہ کیا اور اسی ارادے سے اپنی گٹھری لیے کھڑی تھی کہ کوئی نوجوان مجھے پہنچادے، اچانک اس نے ایک نوجوان کو آتے دیکھا، اس نے آتے ہی بڑھیا سے کہا کہ کہاں جانا ہے؟ بوڑھی عورت نے جنگل کی طرف اشارہ کیا، جب منزل مقصود تک پہنچ گئی تو اجرت کے طور پر نصیحت کی کہ تو موجودہ فتنہ میں مت پڑنا، ایک خدا کی پرستش کرنے والے کی تابع داری میں نہ آنا، محمد (ﷺ) نامی ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کے بہکانے پر مت بہکنا۔

جب نصیحت مکمل ہوئی تو آپ ﷺ نے رخصت کی اجازت چاہی، بڑھیا نے اجازت دینے کے ساتھ ساتھ نام پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: " میں وہی ہوں جس سے ڈر کر تو یہاں آئی ہے، میں ہی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں اور حقیقت میں میں اللہ کا رسول ہوں، میرا ہی قول ایک خدا کو ماننے کا ہے، میری ہی جانب سے بتوں کی پوجا سے ممانعت ہے"۔

بڑھیا نے کہا اب تک سنتی رہی تھی، آج میں نے دیکھ بھی لیا اے محمد ﷺ! مجھے آپ کلمہ پڑھائیں، اور پھر وہیں لے چلیں جہاں سے لائے تھے۔ سبحان اللہ.

یہی اصل ہتھیار ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر صحابی، ولی نے استعمال کیا؛ اور انھوں نے اسلام کو پھیلانے میں حسن اخلاق ہی کو ڈھال اور تلوار بنایا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اقلیت کے باوجود بھی اکثریت پر ہمیشہ غالب رہے۔

لیکن آج اکثریت کے باوجود بھی ہم مغلوب اور غیروں کی غلامی کرتے نظر آرہی ہیں، عزت و آبرو کا جنازہ نکالا جا رہا ہے اور ہمارے حق میں کبھی فیصلہ نہیں ہوتا آخر ایسا کیوں؟ ہم نے کبھی جاننے کی کوشش بھی نہ کی، اب اس سے بڑھ کر ہماری مردہ دلی کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے، اس کی

اصل وجہ یہ کہ پڑوسی ہمارے ساتھ نہیں، ہم سے ہمارا معاشرہ ناخوش، ہمارے پاس اسلاف کاساایمان اور ہتھیار (اخلاق) نہیں، جس کی وجہ سے ہم ناکارہ ہیں اور ہماری قوم ناکامی کا شکار نظر آرہی ہے۔

پڑوسی کامقام:۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَحْسِنْ مُجَاوَرَةً مَنْ جَاوَرَكَ تَكُنْ مُسْلِمًا" (1) ترجمہ: جو شخص تمھارا پڑوسی بنے اس سے اچھی ہم سائیگی رکھو! کامل مسلمان ہوجاؤ گے۔

اس حدیث کے تحت کامل مسلمان بننے کے لیے پڑوسی کو خوش رکھنا ضروری ہے۔

انسان کامل مسلمان بننے کے لیے جس طرح اور دیگر ضروریات دین کو انجام دیتا ہے اسی طرح پڑوسی کے حقوق بھی ضروری ہیں، اورانجام دہی کے مستحق ہیں، ان کے بغیر انسان کامل مومن نہیں ہوسکتا۔

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ" (2) ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو اسے اپنے پڑوسی کا اکرام کرنا چاہیے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَاللهِ لَايُؤْمِنُ عَبْدٌ وَاللهِ لَايُؤْمِنُ عَبْدٌ وَاللهِ لَايُؤْمِنُ عَبْدٌ قِيْلَ مَنْ يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ أَلَّذِیْ لَايَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ" (3) ترجمہ: اللہ کی قسم وہ شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم وہ شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا، دریافت کیا گیا کون یارسول اللہ ﷺ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ

---

(1) سنن ابن ماجہ ص: ۳۳۱ ابواب الزہد: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص/۴۹۱

(2) صحیح بخاری جلد دوم: ص: ۸۸۹ کتاب الادب

(3) صحیح بخاری جلد دوم: ص: ۸۸۹ کتاب الادب

ہو۔

ایک مسلمان پر پڑوسی کا ایسے ہی حق ہے جیسے ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر کہ ایک بھائی اپنے بھائی کو چھوٹی سے چھوٹی تکلیف میں دیکھنا گوارا نہیں کرتا، اس کے خورد و نوش وغیرہ سے لے کر عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت بھی کرتا، برائی سے روکتا، اور اچھائی کا حکم دیتا ہے۔

ایک مرتبہ کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا: فلاں شخص دن کو روزہ رکھتا ہے، رات کو (عبادت کے لیے) قیام کرتا ہے لیکن اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچاتا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔(1)

صرف پڑوسی کو تکلیف دینے سے پوری زندگی کی عبادت بے کار ہو جاتی ہے۔

ہمارا رویہ :۔ آج ہمارے پاس عبادت کا ذخیرہ ہے نہ زہد و تقویٰ کا ڈھیر، پھر بھی ہم پڑوسی کو تکلیف دیتے ہیں، اس کی ترقی کو اپنے لیے ذلت و رسوائی سمجھتے ہیں کہ ہمارے رہتے ہوئے وہ کیسے ترقی کر رہا ہے، یعنی حسد کی حدود کو پار کر چکے ہیں، اس سے تکلیف دور کرنے کی بات تو درکنار ہمیشہ اس کے لیے گڑھا کھودتے رہتے ہیں اور اسے تکلیف میں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔

اسی کی طرف حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے یوں نقشہ کھینچا ہے: "تو دوسروں کی مصیبت سے بے غم ہے، تو مناسب نہیں کہ تیرا نام "آدمی" رکھا جائے"۔

ان کی عزت و آبرو کی حفاظت تو کیا ان کی بے عزتی میں ہماری دنیا بسنے لگی ہے، ان کو کھانا کھلانے کی بات کہاں سے آئے؟ ان کے منہ سے لقمہ چھین لینا ہمارا شیوہ بن چکا ہے، انھیں ذلت و رسوائی کی زندگی گزارنے، اور فقر و فاقہ میں زندگی بسر کرنے پر ہم مجبور کر دیتے ہیں، لیکن نام نہاد مسلمان سارے حقوق کا مکلف ہو کر بھی دوسرے کا حق مار کے انسانیت کا گلا گھونٹ رہا

---

(1) مسند امام احمد ابن جنبل جلد دوم: ص: ۴۴۰ : بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۹۲

ہے، ان سے بھائی چارہ قائم کرنا تو دوران کا خون چوسنے پر آمادہ ہے، ایسے شخص کا انجام جہنم کے سوا کیا ہوگا جو صرف نام کا مسلمان ہے ؟

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے پڑوسی کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو! پھر تیسری چوتھی مرتبہ (کی شکایت پر) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنا سامان راستہ میں ڈال دو۔(1)

چنانچہ لوگ راستہ سے گزرتے اور پوچھتے تجھے کیا ہوا؟ تو کہا جاتا: اسے اس کے پڑوسی نے تکلیف پہنچائی ہے، راوی فرماتے ہیں اسی طرح لوگ اس پڑوسی پر لعن وطعن کرتے رہے آخر کار اس کے پڑوسی نے آکر کہا اپنا سامان لے جاؤ! بخدا اب میں نہیں ستاؤں گا۔

اگر آج تکلیف دہندہ کی اذیت رسانیوں کا اس طرح اعلان کیا جائے تو بے حیا آدمی دوسروں کو بھی تکلیف دینا شروع کر دے گا اور اپنی طاقت سے دنیا میں لغو اور بے جا عزت بنانے کے لیے ساری حدیں پار کر دے گا، یعنی حرام وحلال، جائز وناجائز میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہے گا، اس لیے کہ اس کا مقصد ہی لوگوں کو اذیت دینا ہے۔

حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمادیا ہے: "إِذَأَنْتَ رَمَيْتَ كَلْبَ جَارِكَ فَقَدْ اٰذَيْتَهٗ" (2) ترجمہ: جب تم اپنے پڑوسی کے کتے کو مارتے ہو تو در حقیقت تم پڑوسی کو ہی ایذا دیتے ہو۔

لیکن آج ہمارے یہاں انسانیت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔

سوال :۔ ہمارا پڑوسی ہمیں تکلیف دے تو ہم کیا کریں؟ کیا ہمیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیے یا پھر ویسا ہی سلوک کریں؟

جواب :۔ نہیں! ہو سکے تو معاف کر دیں، ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کا

---

(1) سنن ابوداؤد جلد دوم: ص: ۳۴۵: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۹۲

(2) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۹۲

صلہ ثمربار ہو جس کی وجہ سے وہ سدھر جائے اور اپنے کرتوت پر شرمندہ ہو، اور توبہ کی توفیق اسے نصیب ہو جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میرا پڑوسی مجھے اذیت پہنچاتا ہے، گالیاں دیتا ہے اور مجھ پر سختی کرتا ہے، انھوں نے فرمایا: چلے جاؤ! اگر اس نے تمھارے بارے میں نافرمانی کی تو تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرو!

یعنی اللہ کے لیے اس سے بھائی چارگی اور حسن سلوک کرو! بھلائی کا حکم دو برائی سے روکو! سیدھے راستے پر چلنے کی تلقین کرو اور اس کو اپنانے کی کوشش کرو تاکہ وہ اپنے کرتوت سے باز آجائے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّجۡعَلَ بَيۡنَكُمۡ وَ بَيۡنَ الَّذِيۡنَ عَادَيۡتُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّوَدَّةً ؕ" (1) ترجمہ: قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھارے اور تمھارے دشمنوں کے درمیان دوستی پیدا کر دے۔ اس لیے دشمنی کی رو میں بہ کر اس حد تک نہ پہنچ جاؤ کہ بعد میں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے اور پڑوسی کو اتنی تکلیف نہ دو کہ معافی طلب کرنے کے لائق نہ رہو، جہاں تک ہو سکے اس کے دکھ درد میں ساتھ رہو! اس لیے کہ خدانہ خواستہ کبھی تم بھی اس مصیبت میں مبتلا ہو سکتے ہو تو وہ بھی تمھارا ساتھ دے گا۔

آج ہم بزرگوں کی سیرت کو بھول چکے ہیں، اگر ہم میں ذرہ بھر بھی ان کی سچی محبت ہوتی تو ہم ان کے نقش قدم سے انحراف نہ کرتے۔

احیاء العلوم میں ایک روایت منقول ہے کہ حضرت ابن مقفع رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوا کہ ان کا پڑوسی اپنا مکان بیچ کر قرض ادا کرنا چاہتا ہے اور آپ اس کے دیوار کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے، انھوں نے سوچا کہ اگر مفلسی کی وجہ سے میرا پڑوسی اپنا گھر بیچ رہا ہے تو مجھ سے اس کی دیوار کے سائے میں بیٹھنے کا حق بھی ادا نہ ہوا، چنانچہ انھوں نے اسے مکان کی قیمت دے

(1) پ۲۸ سورہ ممتحنة

دی اور فرمایا اسے مت بیچو۔(1)

انھوں نے صرف دیوار کے سائے میں بیٹھنے کی اتنی قیمت چکائی، جو پڑوسی کے پورے گھر کی قیمت بنتی تھی۔

آج ہم پڑوسی کے گھر کھا پی کر اور دیگر فوائد حاصل کر کے بھی اس کی برائی کرتے ہیں: یعنی جس تھالی میں کھاتے ہیں اسی میں چھید بھی کرتے ہیں ۔ اس کی ترقی کا خاتمہ ہمارا مقصود ہوتا ہے، اس سے بڑھ کر ہمارے لیے بے حیائی اور بے غیرت کی بات کیا ہو سکتی ہے؟

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا اور ان کا ایک غلام بکری کی کھال اتار رہا تھا، انھوں نے فرمایا: اے غلام! جب کھال اتار لینا تو گوشت سب سے پہلے میرے یہودی پڑوسی کو دینا! آپ نے یہ جملہ متعدّد مرتبہ فرمایا۔(2)

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے میرے خلیل نبی کریم ﷺ نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: جب تم سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو اور پھر اپنے پڑوسیوں کو دیکھ کر اس میں سے کچھ ان کو دو! (3)

اہم بات :۔ پڑوسی کے حقوق یہ ہیں کہ اسے دیکھو تو سلام کرو۔ زیادہ پوچھ تاچھ اور کریدنے کی کوشش نہ کرو (تاکہ اسے اپنے مفلسی پر غم نہ ہو اور امیر ہو تو اپنی مال داری پر غرور و تکبر نہ پیدا ہو جائے، اس سے گناہ میں پڑنے کا زیادہ خدشہ ہوتا ہے) بیمار ہو تو عیادت کرو، مصیبت میں پڑے تو ساتھ دو!

---

(1) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۹۳

(2) سنن ابن ماجہ ص: ۲۳۶، احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۹۵

(3) صحیح مسلم ص ۲۳۹۲ کتاب البر والصلہ بحوالہ ریاض الصالحین ص: ۹۸

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دریافت فرمایا: کہ تم جانتے ہو کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: وہ تم سے مدد مانگے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو دے دو، حاجت مند ہو تو اس کی ضرورت پوری کرو، بیمار ہو جائے تو اس کی مزاج پرسی کرو، انتقال کر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو!

اسے اچھی بات پہنچے تو مبارک باد دو اور اگر مصیبت پہنچے تو اس کی غم خواری کرو، بغیر اجازت اپنے مکان کو اس کے مکان سے بلند نہ کرو کیوں کہ اس کی ہوا رک جائے گی، اسے اذیت نہ پہنچاؤ!

پھل خریدو تو تحفہ بھیجو اگر ایسا نہ کر پاؤ تو پوشیدہ طور پر کھاؤ، تمھارا بچہ بھی وہ پھل لے کر باہر نہ جائے اس لیے کہ اس سے اس کے بچے کو رنج پہنچے گا۔ اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اسے اذیت نہ دو، البتہ یہ کہ اسے بھی اس میں سے ایک پیالہ دے دو! پھر فرمایا: " جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، پڑوسی کا حق وہی شخص پورا کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (1)

حتی الامکان مسلمانوں کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ خوب سوچ سمجھ کر برتاؤ کرنا چاہیے تا کہ اذیت پہنچانے والی معمولی سی غلطی بھی اس کے دل کو نہ چھوئے۔

سوال :۔ میرے بہت پڑوسی ہیں لیکن اتنی وسعت نہیں کہ سب کو تحفہ دوں تو اس کا حل کیا ہے؟

جواب :۔ قریب کے پڑوسی زیادہ حقدار ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے ایک کا دروازہ میرے سامنے ہے اور دوسرے کا مجھ سے کچھ دور ہے اور بعض اوقات میرے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ دونوں کو کفایت نہیں کرتا تو ان میں سے کون زیادہ مستحق ہے؟ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

(1) کنز العمال جلد ۹ ص: ۸۵: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۹۴

وسلم نے فرمایا: جس کا دروازہ تمھارے سامنے ہے۔[1]

اس لیے جہاں تک ہو سکے پڑوسی کے حق میں اچھائی کرے اور نہ ہو سکے تو برائی بھی نہ کرے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مَنْ أَرَادَ اللہُ بِہٖ خَیْرًا عَسَلَہٗ قِیْلَ وَمَا عَسَلَہٗ قَالَ یُحِبُّہٗ إِلٰی جِیْرَانِہٖ'' [2] ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے میٹھا (شہد) بنا دیتا ہے، عرض کیا گیا: میٹھا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اس کے پڑوسیوں کا محبوب بنا دیتا ہے''۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پڑوسی کو راضی کرنا ایک مشکل امر ہے، جس سے اس کا پڑوسی راضی ہو جائے تو اس پر خدا کا سب سے بڑا انعام ہے۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ پڑوسیوں کو راضی کریں، چاہے وہ مشرک ہی کیوں نہ ہو۔

(1) صحیح مسلم جلد دوم: ص: ۳۲۹

(2) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص: ۲۰۰: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۹۷

مسلمانوں کے حقوق

آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:" أَلْمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَايَخْذُلُهٗ وَلَايُسْلِمُهٗ" (1) ترجمہ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ ذلیل ورسوا کرے اور نہ ہی اسے نقصان پہنچائے!

مسلمانوں کے حقوق یہ ہیں کہ جب تم کسی مسلمان سے ملاقات کرو تو سلام کرو اور اس کی دعوت قبول کرو، اس کے چھینکنے پر یَرْحَمُكَ اللّٰہُ (اللہ تم پر رحمت نازل فرمائے) کہو، بیمار ہو تو مزاج پرسی کرو، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو، تمھارے بارے میں قسم کھائے تو اس کی قسم کو پورا کرو، جب تم سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کرو، تم سے غائب ہو تو اس کی حفاظت کرو، اس کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور جو کچھ اپنے لیے ناپسند کرتے ہو تو اس کے لیے بھی ناپسند کرو!

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:" أَرْبَعٌ مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَيْكَ أَنْ تُعِيْنَ مُحْسِنَهُمْ وَأَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمُذْنِبِهِمْ وَأَنْ تَدْعُوْلِمُدْ بِرِهِمْ وَأَنْ تُحِبَّ تَائِبَهُمْ" (2) ترجمہ: چار باتیں مسلمانوں کے حق میں سے تم پر لازم ہے نیکی کرنے والوں کی مدد کرنا، گناہ گاروں کے لیے بخشش طلب کرنا، پیٹھ پھیرنے والے کے لیے دعا مانگنا اور توبہ کرنے والے سے محبت کرنا۔

اگر مسلمان بھائی کے حق میں آپ کوئی بھلائی نہیں کر سکتے تو اس کے حق میں برا بھی

(1) صحیح مسلم جلد دوم: ص/ ۳۱۵

(2) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۳۹

نہ کریں! اس لیے کہ یہ بھی حقوق میں داخل ہے کہ مسلمان کو اپنے مال و دولت میں شریک نہ کرسکو، اس کے حقوق کی ادائیگی میں پیچھے رہ جاؤ تو کم سے کم اس کو چین کی زندگی گزارنے دو! تکلیف نہ دو کہ اس کے دل سے بد دعا نکل پڑے کیوں کہ اس کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس موقع سے ایک حکایت بیان کرتے ہیں۔

حکایت:۔ ایک ظالم غریبوں کی لکڑی سستے میں خریدتا اور مال دار کو زیادہ قیمت میں دیتا تھا، ایک بزرگ نے دیکھ لیا تو اس کو نصیحت کی، اس نے اس کی نصیحت نہ مانی، ایک مرتبہ اس کے محل میں آگ لگ گئی اس سے لوگوں نے پوچھا یہ کیسے ہوا بزرگ نے گزرتے ہوئے کہا: یہ سب غریبوں کے دل کا دھواں ہے"

شیخ سعدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ع:۔

زور مندی مکن بر اہل زمیں　　تا دعائے بر آسماں نرود

حذر کن ز دود درونہائے ریش　　کہ ریش دروں عاقبت سر کند

بہم بر مکن تا توانی دلے　　کہ آہے جہانے را بہم بر کند[1]

ترجمہ: زمین والوں پر ظلم مت کر! تاکہ بد دعا آسمان تک نہ پہنچ جائے۔ اس کے زخمی دل کی آہ سے پرہیز کر اس لیے کہ زخمی دل کی آہ (سیدھا) انجام کو پہنچتی ہے۔ (ظاہر ہو کر تباہ و برباد کر دیتی ہے) جہاں تک ہوسکے کسی شخص کا دل زخمی مت کر! اس لیے کہ ایک آہ پوری دنیا کو اکھاڑ پھینکے گی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کا خیال نہ رکھ سکو تو اسے اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور نہ کرو! کیوں کہ اس کے دل سے کوئی شئے دکھاوے یا ریا سے نہیں نکلتی، دل کی گہرائی سے نکلتی ہے؛ جس کا تعلق براہ راست عرش الٰہی سے ہوتا ہے۔

---

(1) گلستاں باب اول: ص: ۶۳

کسی مسلمان کو قولاً یا فعلاً تکلیف دینا مسلمان ہونے کی پہچان نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ" (1) ترجمہ: کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا، میں نے عرض کیا: کون سا غلام افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو تیرے نزدیک سب سے زیادہ عمدہ اور قیمتی ہو، میں نے عرض کیا: اگر میں وہ نہ کر سکوں تو؟ فرمایا: ہنر مند یا بے ہنر کی مدد کر! نیز فرمایا: "اِنْ ضَعُفْتَ تَكُفَّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلٰى نَفْسِكَ" (2) اگر تم یہ بھی نہ کر سکو تو لوگوں کو (اپنے) شر سے محفوظ رکھو کہ یہ بھی تجھ پر تیری طرف سے ایک صدقہ ہے۔

مسلمانوں کو اذیت دینا، مجبور کرنا، پریشانی میں مبتلا کرنا اور ان کی محنت کو ضائع کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جہنمی خارش میں مبتلا ہوں گے تو وہ کھجلائیں گے، حتیٰ کہ ان میں ایک کی کھال اور گوشت پھٹ کر ہڈی ظاہر ہو جائے گی تو اسے پکارا جائے گا۔ اے فلاں! کیا تمھیں اس سے تکلیف ہوتی ہے؟ وہ کہے گا ہاں! تو پکارنے والا کہے گا مسلمانوں کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا جس کی یہ سزا ہے۔(3)

دنیا ایک امتحان گاہ ہے، انسان کو خدا آزماتا ہے کہ یہ ہمارا فرماں بردار بندہ ہے یا نافرمان، مگر انسان دو دن کی زندگی بنانے میں دائمی زندگی کو برباد کر بیٹھتا ہے، اور اپنے بھائی کا جینا

(1) صحیح بخاری جلد اول: ص: ٦٢ کتاب الایمان
(2) صحیح مسلم جلد اول: ص: ٦٢ کتاب الایمان
(3) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ٤٤٨

دشوار کر دیتا ہے، حالاں کہ مسلمان کے حق میں ادنیٰ بھلائی کرنے سے اعلیٰ درجے کا ثواب مل جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ جنت میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا ہے، اور یہ اس بات کا صلہ تھا کہ اس نے لوگوں کو اذیت سے بچانے کے لیے راستے سے ایک درخت کاٹا تھا"۔(1)

لیکن انسان کو جھوٹی عزت کی اتنی پرواہ ہے کہ وہ ہر حد کو پار کر جاتا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ سارا مال مسلمانوں پر لٹا دیں! بلکہ کم سے کم مسلمان بھائیوں کا حق ادا کریں تاکہ قیامت کی ہول ناکیوں سے نجات پاسکیں۔ جہاں تک ہوسکے ان کی فریاد کو پہنچیں۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ع:۔

ہر کہ فریادرس روز مصیبت خواہد — گو درایام سلامت جوانمردی کوش

بندہ حلقہ بگوش ار ننوازی برو — لطف کن کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

ترجمہ: جو شخص مصیبت کے وقت کسی مددگار کے ملنے کی خواہش رکھے تو اس سے کہہ دو! کہ خوش حالی کے دنوں میں جواں مردی اور استقلال کے ساتھ ذمہ داریاں پوری کرے۔ نوازشات اور حسن اخلاق سے انسان فرماں بردار ہوجاتا ہے، جا مہربانی کر! کہ مہربانی کرنے سے بیگانے بھی اپنے ہوجاتے ہیں۔

سب سے بہتر زندگی وہ ہے جو اخوت و بھائی چارہ پر مشتمل ہو۔

بھائی چارہ:۔ اللہ تبارکوتعالیٰ نے فرمایا: "وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (2) ترجمہ: اور وہ اپنے دلوں میں مال کی محبت نہیں پاتے اور دوسروں کو خود پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں تنگ دستی

(1) صحیح مسلم جلد دوم: ص: ۳۲۸: کتاب البر والصلہ: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۴۶

(2) پ ۲۸ سورہ حشر

لاحق ہو۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "اَلْمُؤمِنِ لِلْمُؤمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضَهٗ بَعْضًا" (1) یعنی ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے کہ بعض کو بعض سے مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔

اسی پر حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ (مسلمان) خوشی اور تکلیف میں (دونوں حالتوں میں) ایک دوسرے کے حق دار ہوں اور حال و مستقبل میں ایک دوسرے کے شریک ہوں، یعنی خوشی ہو یا غم، فوری طور پر ہو یا آنے والے دنوں میں، ہر حالت میں ہر وقت ساتھ رہے، اس طور پر کہ دونوں میں سے کسی ایک کے لیے کوئی خصوصیت اور ترجیح باقی نہ رہے، غم خواری کی حالت میں شرکت کے تین مراتب بیان فرمائے۔

(۱) سب سے کم تر یہ ہے کہ اسے (مسلمان بھائی کو) اپنے غلام یا خادم کی طرح سمجھو اور اپنے زائد مال سے اس کی ضرورت پوری کرو!

(۲) اسے اپنی طرح سمجھو اور مال میں شریک کر لو۔ (۳) سب سے بلند یہ ہے کہ اسے اپنے اوپر ترجیح دو۔ (2)

یہ صرف مال و اسباب کی تقسیم کے لیے ہے۔ ہمیں دنیا سے بیزار کرنے کے لیے نہیں کہا گیا تا کہ ہم آگے نہ بڑھ پائیں، بلکہ ایسا فعل اولا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وقت ہجرت انجام دے کر ہمیں سبق دیے کہ زندگی کا اصل مقصد کیا ہے۔

جن کے بارے میں خدائے تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ" (3) ترجمہ : اللہ کی

---

(1) صحیح بخاری جلد دوم: ص:۸۹۰ : کتاب الادب

(2) احیاء العلوم جلد اول: ص: ۴۰۰

(3) پ ۱۱/ رکوع/ ۸: سورہ توبہ

رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی خبریں بتانے والے نبی اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے مشکل گھڑی پر ان کا ساتھ دیا۔(1)

دولت کی حقیقت :۔ دنیا کمانا، مال و دولت جمع کرنا اور دین سے الگ ہو کر دنیاوی عیش و عسرت میں ڈوب جانا تو اس کا کام ہے جو اللہ و رسول ﷺ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتا یعنی کافر، ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ لوگ دنیا ہی کو اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں۔

حدیث پاک میں ہے: ''اَلدُّنیَا سِجنٌ لِلْمُؤمِنِ وَجَنَّۃٌ لِلْکَافِرِ'' ترجمہ: دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔

مگر یہ آج مسلمانوں کا شعار بن چکا ہے کہ مال و دولت کی ہوس میں وہ خدا کو بھی بھول بیٹھے ہیں اور دوسرے مسلمان بھائی کا مال ظلماً دبانے میں سرگرداں رہتے ہیں، ایسے لوگوں کا مقصد دنیا جمع کرنا ہی ہوتا ہے، چاہے جس طریقے سے بھی ہو، ایسوں کو کبھی بھی آخرت اور طلب آخرت کی تمنا نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنی آخرت کو سنوارنے کے بجائے برباد کر ڈالتے ہیں۔

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ أَحَبَّ دُنْیَاہُ أَضَرَّ بِآخِرَتِہٖ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَہٗ أَضَرَّ بِدُنْیَاہُ''(2) ترجمہ: جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا تو اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا تو اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔

اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص دنیا و آخرت کو بیک وقت اپنے اندر جمع نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اگر وہ آخرت کو ترجیح دے تو دنیا خود بخود اس سے دور ہو جائے گی اور اگر دنیا کو ترجیح دے گا تو آخرت اس کے قریب نہیں آئے گی، اس لیے کہ اس کے دل و ماغ میں مال کی لالچ اور ہوس چکر لگاتی رہے گی تو نہ ہی وہ خدا کے حقوق کو ادا کر سکے گا اور نہ بندوں کے۔

(1) کنزالایمان یاسین بکڈپو ص ر ۲۹۷

(2) سنن بیہقی ۳ص ۳۷۱: بحوالہ احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۰۱

سوال :۔ اگر آپ سوال کریں کہ ایسے ایسے بادشاہ رہے ہیں جو نبی، ولی اور یکتائے زمانہ تھے کیا وہ بغیر حقوق ادا کیے اتنا بڑا مرتبہ پا گئے ؟

جواب :۔ نبی ہو خواہ ولی یا حکیم، اپنے زمانہ میں بادشاہ، امیر اور یکتائے روزگار ضرور تھے، لیکن سب کا نظریہ فقط خدا کو راضی کرنا تھا، وہ اپنے مال و دولت پر خدا کے ہر ایک امر کو مقدم رکھتے اور سب سے پہلے اس کی فکر کرتے (یعنی خدا کو راضی کرنا اور حقوق العباد کو پورا کرنا) اور اس کو پورا کرنے میں دنیا سے کنارہ کش ہو جایا کرتے تھے۔

جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پوری دنیا کے بادشاہ تھے، یہاں تک کہ دنیا کی ہر ایک مخلوق آپ کے تابعِ فرمان تھی، مگر آپ کا دھیان ملک سے زیادہ حقوق اللہ و حقوق العباد کی ادائیگی پر رہتا تھا، اور خدا کے دین کی اشاعت ان کا عین مقصد تھا، اور انھیں (بادشاہ) میں سے سکندر ذوالقرنین ہیں۔ آپ نے بھی اپنے زمانے کے سارے فتنوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور مخلوق خدا کو اس کا حق دیا۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اکثر بہترین سرمایہ دار تھے لیکن خدا کی عبادت، حقوق کی ادائیگی میں کبھی ادنیٰ کوتاہی نہیں کی، اور بھائی چارہ کے لیے تو سارا مال بلکہ جان تک قربان کر دیتے تھے۔ مثلاً: صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی اور دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو عرب کے مایہ ناز اہل ثروت میں سے تھے، لیکن ان کے قلوب واذہان میں صرف اسلام کی محبت رچی بسی ہوئی تھی، ان کا طریقہ یہ تھا کہ بے سہاروں کا سہارا بنتے تھے اور کمزوروں کی مدد کرتے تھے۔ (ان کا بھائی بن کر ان کو اپنی ہر شئے میں شریک کر لیتے تھے) مظلوموں کی دست گیری کرتے تھے اور ان میں سے کسی کے اندر ذرہ برابر بھی دنیا داری کی بو تک پائی جاتی تو فوراً اس کو آگاہ کر دیتے، مان لیتے تو ٹھیک؛ ورنہ اسی حالت پر چھوڑ دیتے اور خود اس سے دور رہتے، اور دنیوی معاملات میں ان کا ساتھ قطعی طور پر نہیں دیتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غلام تھے، ایک آدمی کے

گھر آئے جس کے ساتھ انھوں نے رشتۂ اخوت (بھائی چارگی) جوڑا تھا، صرف اس لیے کہ ان کے اندر مال کی بوپائی جاتی تھی، آپ نے منھ پھیر لیا اور فرمایا تم نے دنیا کو اللہ پر ترجیح دے دی۔(1)

عدل وانصاف اس حد تک تھا کہ ان سے اپنے تو اپنے اغیار بھی مطمئن رہتے تھے، مال و دولت کی تقسیم کے وقت بہت محتاط رہتے۔

آج کے مسلمان :۔ لیکن دور حاضر میں اگر مال تقسیم کیا جائے خواہ حرام ہی کیوں نہ ہو سب کی خواہش یہی ہوگی کہ سارے کا سارا مال ہمیں مل جائے، جب ہم دوسرے کا مال بھی ہڑپ لیتے ہیں تو اپنے مال کا حق دار دوسرے کو کیسے بنا سکتے ہیں؟ اور بھائی چارہ کیسے قائم رکھ سکتے ہیں؟ خدائے تعالیٰ نے انسان پر زکات فرض کیا جس کا ادا کرنا ہر حال میں لازم وضروری ہے مگر افسوس! یہ ناشکرا انسان اس کی ادائیگی میں بھی منہ بسورتا ہے۔(ناک منھ ٹیڑھا کرتا ہے) اس کا کیا انجام ہوگا کبھی اس نے سوچا بھی ہے؟

میمون بن سہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں کو فضیلت دینے پر راضی نہیں اسے اہل قبور سے بھائی چارہ قائم کرنا چاہیے۔(2)

یہ تو مسلمان سے بھائی چارے کے بارے میں فرماتے ہیں لیکن وہ لوگ جو صرف مسلمانوں کے حقوق سلب کرنے میں لگے رہتے ہیں، وہ اہل قبور تو کیا جانور بلکہ گدھا جس کے بارے میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:" اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾ "(3) بے شک سب سے ناپسندیدہ آواز گدھے کی آواز ہے) اس کے ساتھ بھی بھائی چارے کے لائق نہیں ہیں۔ کیوں کہ خدا کا فرمان ہے:" سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ "(4) ترجمہ: جو کچھ زمین

(1) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۰۰

(2) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۰۰

(3) پ 21 سورہ لقمان آیت 19

(4) پ 27 سورہ حدید آیت 1

وآسمان میں ہے ہر شئے اللہ کی تسبیح بیان کرنے میں مصروف ہے۔اور گدھا بھی اللہ کی تسبیح بیان کرنے میں مصروف رہتاہے ،وہ بھی ذکر خدا سے غافل نہیں رہتا، لیکن عقل مند کہلانے والاانسان ہی خداکی نافرمانی میں مشغول رہتاہے، اور اپنے مسلمان بھائی کواذیت میں مبتلا رکھتاہے۔

نبی کریم صلی علیہ وسلم نے حقیقی مسلمانوں کی نشان دہی فرما دی ہے ،آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوآدمیوں کی مثال دوہاتھوں جیسی ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے کو دھوتا ہے۔

اسی حدیث کے تحت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:" آپ نے انھیں دوہاتھوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے ،ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے ساتھ نہیں کیوں کہ ان دونوں میں سے ایک ہر معاملات میں دوسرے کاتعاون کرتے ہیں ۔(1) اور ایک مسلمان دوسرے کوظلم سے روکتے ہیں اور خیر وخوبی پراس کی مدد کرتے ہیں، یہی ایک سچے مسلمان کی شان ہے"

معاملات میں حسن سلوک:۔ مسلمان اپنے دین میں کامل اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی اداسے دوسرا مسلمان بھائی خوش نہ ہوجائے، وہ اس طورر پر کہ ہر ایک دوسرے کے مقصد خیر میں تعاون کرے، مصیبت وتکلیف میں اس کا ساتھ دے اور خوشی میں اس کے لیے دعاے عافیت کرے ،جان ومال سب ہی خداکی بخشی ہوئی نعمت ہے اور اس کی راہ میں خرچ کرنے سے رب تبارک وتعالیٰ مال کو گھٹاتا نہیں بلکہ اس میں اضافہ فرمادیتا ہے،اور وہ مال دار جواپنی مال داری کا جائز فائدہ اٹھاتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق خرچ کرتا ہے اس کے بارے میں خدائے تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:" وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَیْنَهُمْ۪ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۚ۝۳۸" (2) ترجمہ: اوران کے معاملات باہمی مشورے سے

(1) احیاء العلوم جلد دوم ص/ ۳۹۹

(2) پ ۲۵/ سورۃ شوریٰ

طے ہوتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وہ لوگ اپنی اخوت و محبت میں اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ اگر کسی نے ایک کے سامان کو اپنا بتا دیا تو دوسرا اس مال کو اسی کے حوالے کر دیا کرتے تھے اور اس پر خوشی محسوس کرتے تھے، وہ لوگ خود جو چیز کھاتے تھے وہی دوسروں کو کھلاتے اور جو خود پہنتے تھے اس سے عمدہ دوسروں کو پہناتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک اسلامی بھائی کے گھر آئے لیکن اتفاق سے وہ موجود نہ تھے، آپ نے اس کی بیوی کو صندوق لانے کا حکم دیا تو وہ صندوق لائی، آپ نے اس سے ضرورت کی چیزیں لی اور چل پڑے، جب لونڈی نے اپنے مالک کو خبر دی تو اس دوست نے کہا اگر تو سچ کہہ رہی تو رضاے مولیٰ کی خاطر تو آزاد ہے۔(1) ان کا آزاد کرنا صرف اور صرف اپنے بھائی چارے کا مکمل حق ادا کرنے کے لیے تھا۔

دور حاضر میں اگر کوئی اپنا حق مانگ لے تو فساد برپا ہو جاتا ہے، ہمارا معاشرہ ایسا ہے کہ جس کی خرابیاں ان گنت ہیں، وجہ صرف اتنی ہے کہ آج بڑے مرتبے پر فائز ہونے والے عام طور پر جہلا ہی ہوتے ہیں جنہیں مال و دولت کے علاوہ دوسری چیز نظر نہیں آتی، جس قوم کا سردار جاہل ہوگا، وہ قوم تباہی اور ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گی، اس لیے کہ اسے اچھی اور بری چیز کے درمیان فرق سمجھ میں نہیں آئے گا اور وہ نفسانی خواہشات کے مطابق فیصلہ کرے گا جس کا ثمرہ جھگڑا فساد کی شکل میں نظر آئے گا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک جماعت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا! کیا آپ نماز پڑھ چکے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ”جی ہاں“ ان لوگوں نے کہا: کہ بازار والوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی، حضرت نے ارشاد فرمایا: (حسن بصری) ”بازار والوں سے کون دین سیکھتا ہے؟“ پھر آپ نے بطور تعجب فرمایا: کہ ان میں سے کوئی اپنے بھائی کو ایک

---

(1) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۰۰

درہم تک نہیں دیتا۔(1)

وجہ یہ تھی کہ کوئی ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتا، آپس میں بھائی چارہ نہیں حالاں کہ وہ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ تھا، جس میں بہترین علما اور باکمال اولیاے کرام موجود تھے، تو اس زمانہ جاہلیت کا کیا حال ہوگا جس کے لوگ جہلا ہیں اور حقوق کے "ابجد" سے بھی واقف نہیں ؟

بھائی چارہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنے بھائی کے حق میں بھلائی چاہے، اس کی وضاحت چند اقوال بزرگان سے ملاحظہ ہو۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے پوچھا ! کیا تم میں سے کوئی اپنا ہاتھ اپنے بھائی کی آستین یا جیب میں ڈال کر جو کچھ لینا چاہے اس کی اجازت کے بغیر لے سکتا ہے ؟ اس نے کہا "نہیں" انھوں نے فرمایا: پھر تم ایک دوسرے کے بھائی نہیں ہو۔

ایک شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میں اللہ تعالیٰ کے لیے آپ کو اپنا بھائی بنانا چاہتا ہوں، انھوں نے فرمایا: تم جانتے ہو بھائی چارگی کا حق کیا ہے ؟ اس نے عرض کیا: آپ بتا دیجئے ! آپ نے فرمایا: کہ تو اپنے دینار و درہم کا مجھ سے زیادہ حق دار نہ ہو، اس نے کہا: نہیں میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا، آپ نے فرمایا: پھر چلے جاؤ ۔(2)

یعنی صرف یہ منہ اور مسور کی دال نہیں بلکہ بھائی چارہ مکمل ہونے کے لیے مذکورہ قول کا صادق آنا ضروری ہے، اگر ایسا نہیں تو یہ ریاکاری اور شیطان کا فریب ہے، کیوں کہ حقیقی مسلمانوں کا اس دکھاوے سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، وہ صرف رضائے الٰہی کے لیے کام انجام دیتے ہیں۔

---

(1) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۰۱

(2) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۰۱

حدیث پاک میں آیاکہ جب سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اخوت قائم کی تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مال واسباب میں انھیں اختیار دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں چیزوں میں برکت عطافرمائے۔(1)

قربان جاؤان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جنہوں نے اپنے کارناموں سے ہمیں بہترین راستہ عطاکیا،جس پر ہم بآسانی عمل کرسکتے ہیں، ایک نے ایثار کے طور پر پیش کیا تودوسرے نے مساوات کے طور پر قبول کیا۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:اگرساری دنیامیری ہوجاتی اور میں اپنے مسلمان بھائی کے منہ میں ڈال دیتاتوبھی میں اسے کم سمجھتا،انھیں سے مروی ہے فرمایاکہ میں اپنےکسی اسلامی بھائی کولقمہ کھلاتاہوں تواس کاذائقہ اپنے حلق میں محسوس کرتاہوں۔(2)

دنیاطلب کرنادوطریقوں پر ہے:ایک طریقہ اہل اللہ کاجس کابیان ابھی ہوا۔دوسرا اپنے لیے۔مطلب یہ ہے کہ بزرگوں کااصل مقصد یہ تھاکہ اگرمیں پوری دنیاکامالک ہوجاؤں تومسلمانوں کی فلاح وبہبودی کی خاطرلٹادوں گاتاکہ کوئی محتاج باقی نہ رہے،یعنی وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے خیرکی تمناکرتے تھے۔اور دوسرے کامقصد یہ رہتاہے کہ دنیاکسی بھی طرح حاصل ہو،خواہ دوسروں کے منہ سے لقمہ ہی چھیناکیوں نہ پڑے،ایسے لوگوں کواسی مال کے ذریعہ قیامت کے دن دردناک عذاب دیاجائے گا۔

سوال :۔کیاقیامت کے دن اخوت ومحبت کے بارے میں پوچھاجائے گا؟اس پر بھی کوئی عذاب وسزااور ثواب وجزاہے؟

جواب :۔ رہی بات قیامت کے دن پوچھے جانے کی توایک مرتبہ سرکار دوعالم

---

(1) صحیح بخاری جلداول:ص ر ۵۳۳

(2) احیاءالعلوم جلددوم:ص ر ۴۰۲

ﷺ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہمراہ جنگل میں تشریف لے گئے اور وہاں سے دو مسواکیں حاصل کیں۔ ان میں سے ایک ٹیڑھی تھی اور دوسری سیدھی، آپ نے سیدھی صحابہ کو دے دی انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا آپ ﷺ سیدھی مسواک کے مستحق ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص کسی کی رفاقت اختیار کرتا ہے: اگرچہ دن کی ایک ساعت ہو تو قیامت کے دن اس رفاقت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ آیا اس نے اللہ تعالی کا حق قائم کیا یا اسے ضائع کر دیا؟(1)

اس روایت سے خوب واضح ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا اور اس پر عذاب یا ثواب ہونا ظاہر بات ہے، بادشاہ جب راضی ہوتا ہے تو ضرور انعام دیتا ہے اسی طرح ناراض ہوتا ہے تو سزا کا بھی خدشہ ہوتا ہے، ثواب کے بارے میں یہاں تک ہے کہ اگر آپ راستے سے کوئی تکلیف دہ چیز ہٹا دیں یا چیونٹی جیسی کوئی مخلوق آپ کو کاٹ لے اور اس سے تکلیف ہوئی تو اس کی وجہ سے ۱۰ نیکیاں ملتی ہیں، اسی لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ عبادت و ریاضت کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق بھی ادا کریں، ایسا نہ ہو کہ ہمارے اعمال ٹھیک ہوں لیکن حقوق کی ادائیگی کی طرف عدم توجہی کی وجہ سے ہماری گرفت ہو جائے، اس لیے جب بھی حقوق العباد کی بات آئے تو حتی الامکان یہ کوشش کریں کہ کسی کو کوئی تکلیف اور رسوائی نہ پہنچے کیوں کہ: ”أَلْمُسْلِمُ أَخُوْالْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ“ ترجمہ: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے ذلیل و رسوا کرے اور نہ ہی اس کو نقصان پہنچائے۔

(1) احیاء العلوم جلد دوم: ص: ۴۰۲

ہم زندگی کیسے گزاریں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیات بخشی اور اس کے اندر مختلف تقاضے اور ضروریات ودیعت (متعیّن) فرمائی، زندگی کے مختلف مراحل سے ہر خاص وعام کا گذر ہوتا ہے اور آدمی کو ان مراحل کے لحاظ سے مختلف احکام کا پابند و مکلف بنایا، دنیا میں جینے کے لیے رشتوں کی تخلیق فرمائی، اس لیے ان رشتوں کا زندگی کے ہر مرحلے میں بے پناہ دخل ہے۔

ہر انسان تین مرحلہ سے گزرتا ہے: (۱) بچپن (۲) جوانی (۳) بڑھاپا۔

جوں جوں انسان کی عمر بڑھتی جاتی ہے تو اس پر اسی حساب سے ذمہ داریاں بھی لاگو ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ جب وہ بچپن کا مرحلہ طے کر رہا ہوتا ہے تو اس پر دنیاوی اور شرعی اعتبار سے کوئی ذمہ داری نہیں آتی، لیکن جب وہی سن بلوغ کو پہنچ جاتا ہے تو شرعی اعتبار سے اس پر وہ ذمہ داریاں آجاتی ہیں جو ایک مکلف (عاقل، بالغ مسلمان) پر ہونی چاہیے۔ مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکات، اہل وعیال اور اہل قرابت کے حقوق، معاملات میں احکام شرعیہ کی پابندی اور ظاہری وباطنی اصلاح وغیرہ، الحاصل حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے ہر ایک کو انجام دینا اس کے لیے ضروری ہوتا ہے، اور دنیاوی اعتبار سے والدین کی خدمت، نکاح کے بعد بیوی کے نان ونفقہ اور سکنیٰ کا انتظام کرنا، کچھ دنوں کے بعد اولاد کی تعلیم وتربیت اور کفالت کرنا، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جوانی کی عبادت زیادہ مقبول ہوتی ہے، اس کے لیے بھی ہمیں وقت دینا ہے، زکات واجب ہے تو اسے ادا کرنا ہے، رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا، حج فرض ہو گیا تو اس سے بھی بری الذمہ ہونا، اور نماز تو آخر عمر تک کے لیے بلاناغہ فرض ہے، اور یہ ساری

چیزیں انسان کے لیے صرف وہمی لحاظ سے مشکل ہیں لیکن کرنے میں کوئی دشواری نہیں۔

انسان کے لیے نیک کام کرنے میں جو چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں، ان میں سب سے خطرناک نفس امارہ اور شیطان ہے جو انسان کے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے: ”اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۵“ (1) بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ ” اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ “ (2) یقیناً نفس برائی کا حکم دیتا ہے۔

شیطان انسان کو بہکانے اور اس کو ناکام کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتا رہتا ہے، ہر نیکی کے خلاف بدی کو سنوار کر پیش کرتا ہے، جس سے انسان نیکی کو چھوڑ کر برائی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

شیطان کا کھلا چیلنج اور ہمارا رویہ: ۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے بارہا اس کی مکاری اور عیاری کا تذکرہ فرما کر ہمیں آگاہ کیا، لیکن ایک ہم ہیں کہ ہمارا دل بھلائی کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا، بھلائی کی طرف ہمارا ذہن جائے اور عمل کا جذبہ بیدار ہو یہ اس (شیطان) کو گوارا نہیں۔ ہم شیطان کے اس قدر تابع ہو چکے ہیں کہ ہمیں ہر بھلا کام برا لگتا ہے اور برائی ہی میں اپنی بھلائی تلاش کرتے ہیں، اپنی عاقبت برباد کرنے میں ہمہ وقت سرگرداں رہتے ہیں، ہمارا مخالف (شیطان) ہمیشہ اپنا جال تیار کیے کھڑا ہے، وہ اپنا کام بآسانی کر جاتا ہے، اور اس کا شکار بننا ہمارا شیوہ بن چکا ہے۔ ہمیں اس کا کچھ احساس تک نہیں، اور کیوں نہ ہو جب کہ ہمارے احساس کا مادہ تو ختم ہو چکا ہے، کہ ہم صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، ہمارا دل اس قدر سیاہ ہو چکا ہے کہ ہمیں صحیح، صحیح نہیں دکھائی دیتا اور غلط ہمیں صحیح نظر آتا ہے، ہمارے پیچھے ہمیشہ شیطان کا لشکر اپنی ڈیوٹی بجالانے کو تیار کھڑا ہے، لیکن ہم جان کر بھی انجان بنے ہوئے ہیں، ان کا مقصد ہمیں ہر طرح سے ذلیل وخوار اور ناکام کرنا ہے، کیوں کہ ابلیس نے ہمیں برباد

(1) پ۱۲ سورہ یوسف آیت: ۵

(2) پ۱۳ سورہ یوسف آیت: ۵۳

کرنے کے لیے خدا سے مہلت لے رکھی ہے اور شیطان ملعون نے رب تبارک و تعالیٰ سے اس کے بندوں کو بہکانے کا وعدہ بھی کر رکھا ہے،

چنانچہ قرآن شریف میں ہے:" قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۳۹ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰ "(1) ترجمہ: اے میرے رب! قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں انھیں زمین میں بھلاوے دوں گا (دنیا میں گناہوں کی رغبت دلاؤں گا اور ہر بری چیز کو سنوار کر پیش کروں گا) اور ضرور ان سب کو بے راہ روکر دوں گا مگر جو تیرے مخلص بندے ہوں گے، ان پر میرا زور نہیں چلے گا۔

ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ شیطان کی وہ خباثت جس کو قرآن نے بیان کیا ہے ہمیں ہوشیار کر رہی ہے، وہ ظاہری و باطنی طور پر ہمیں برباد کرنے کا حیلہ تلاش کر رہا ہے، لیکن ہم اب تک غافل ہیں، ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس نے خود بتا دیا کہ تیرے مخلص بندوں پر میرا زور نہیں چلے گا، پھر بھی ہم شیطانی پیچ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے، لگتا ہے ہمیں مخلص بندہ بننا ہی نہیں ہے؟

شیطان کو جتنی مہلت ملی وہ اپنے وقت کو ضائع کیے بغیر ہمیں اپنے وعدے کے مطابق بہکانے میں لگا ہوا ہے، سونے، جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے یہاں تک کہ پیدائش اور مرنے کے وقت بھی ساتھ نہیں چھوڑتا، لیکن ہم اپنا وعدہ پوری طرح سے بھول چکے ہیں۔ حالاں کہ ہم نے بھی وعدہ کیا ہے اگر چہ ہم اس سے بے خبر ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:" اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۶۰ "(2) ترجمہ: اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پیروی نہ کرنا؟ اس لیے کہ وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

---

(1) پ ۱۴/ سورۂ حجر

(2) پ ۲۳/ سورۂ یٰسین

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”شیطان کی فطرت میں انسان کی دشمنی رکھی گئی ہے“۔ شیطان ہمیشہ تم کو ہلاک کرنے میں لگا رہتا ہے، وہ دن رات ہر لمحہ تم پر اپنا تیر چلاتا ہے اور تم اس سے غافل ہو، تو تم شیطان کو فریب دینے اور اس کی مخالفت کے لیے کمر بستہ رہو کیوں کہ وہ بھی تمھیں زیر کرنے میں لگا رہتا ہے، اگر تم نے خدا کی عبادت کی تو گویا کہ اسے جنگ پر آمادہ کیا، اور جب اس کی شروعات ہوگئی تو اس پر ہمیشگی برتو! اس کی دشمنی لوگوں کے ساتھ عام ہے، چاہے خدا کی عبادت کرتا ہو یا نہیں، مثلاً: کافر و مشرک کے سامنے طرح طرح کی اشیا، گائے ، مٹی پتھر وغیرہ کو معبود بناکر پیش کرتا ہے تاکہ وہ اور زیادہ کفر و شرک میں مبتلا ہوجائے۔

اس کام (بہکانے) کے انجام دینے میں اس کے دیگر مددگار بھی ہیں جن میں سب سے خطرناک نفس امّارہ ہے، اور ان وسائل، کارستانوں اور چالوں سے انسان غافل ہے، (اور یہ شیطان سے بھی سخت دشمن ہے کیوں کہ یہ گھر کا چور ہے جس کی چوری کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں چلتا)

سوال :۔ اب اس سے چھٹکارا کیسے پایا جائے؟ **جواب :۔** تو بعض نے کہا ہے کہ ”اَعُوْذُ بِاللّٰہِ “یعنی ہمیشہ بندہ اس کے شر سے اللہ کی پناہ چاہے۔(1)

اہم بات :۔ زندگی میں جن چیزوں کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے ان میں سے کچھ یہ ہیں: (۱) صدق مقال (۲) رزق حلال (حلال کھانا) (۳) اقامت صلوۃ۔ اور انھیں تینوں پر زندگی کو منحصر کرنا سب سے بڑی کامیابی ہے۔

صدق مقال :۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اِنَّ الصِّدْقَ بِرٌّ، وَاِنَّ الْبِرَّ یَھْدِیْ اِلَی الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْکِذْبَ فُجُوْرٌ، وَاِنَّ الْفُجُوْرَ یَھْدِیْ اِلَی النَّارِ“(2) ترجمہ: سچ بولنا نیکی ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے اور جھوٹ بولنا

(1) منہاج العابدین ص:۲۴

(2) مشکاۃ المصابیح ص/۴۱۲

فسق و فجور ہے اور فسق و فجور دوزخ میں لے جاتا ہے۔

سچ ایک دیوار ہے جس کی پناہ میں کامیابی ہی کامیابی ہے اور یہ دیوار ہر برائی سے آڑ ہے، کیوں کہ انسان کو اپنی عزت پیاری ہے، کسی کے اندر برائی ہو اور وہ سچ بول دے تو سچائی سامنے آجائے گی، جب ایسا ہو گا تو وہی معاشرے میں بے عزتی کا سبب بنے گا اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا عزم (ارادہ) اس کے اندر بیدار ہو جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص اس وقت جھوٹ کا سہارا لے کر بچ نکلتا ہے تو اس کی ہمت برائی کرنے میں اور بڑھ جاتی ہے، اور وہ اس سے زیادہ برائی کرنے کی طرف مائل ہو جاتا ہے، آخر کار وہ جھوٹ کے ذریعے برائی کی ساری حدیں پھلانگ جاتا ہے، اسی واسطے کہا گیا ہے کہ برائی کی جڑ جھوٹ ہے، اگر انسان اسے چھوڑ دے تو ہمیشگی کی برائی سے بچ جائے گا، اور بھلائی کی جڑ سچ ہے۔

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں بیہقی شریف کے حوالے سے ایک حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "مومن کی طبع میں تمام خصلتیں ہو سکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ کہ اس کے اندر نہیں پائے جاتے؛ کیوں کہ یہ دونوں ایمان کے خلاف ہیں۔(1)

اس لیے ہم سچ کی طرف زیادہ رغبت رکھیں، بلکہ اپنی پہچان ہی حق گوئی بنالیں تاکہ کہیں بھی ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور لوگوں کا اعتماد ہم پر برقرار رہے۔

ہماری روحانیت کے اہم ترین موانع میں سے غیبت اور چغل خوری بھی ہے جو کہ زندگی کے سارے اعمال کو اکارت کر دیتی ہے۔

غیبت :۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ؕ"(2) ترجمہ: اور تم میں کا ایک دوسرے

(1) اسلامی اخلاق و آداب ص:

(2) پ ۲۶ ر سورۂ حجرات

کی غیبت نہ کرے۔ (تم میں سے بعض بعض کی غیبت نہ کرے) کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ ضرور تم اسے ناپسند کروگے، تو اللہ سے ڈرو۔

حضرت سعید و جابر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''غیبت زنا سے بدتر ہے'' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یہ کیسے یا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! غیبت زنا سے بدتر ہے؟ تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''زنا کرنے والا شخص زنا کرکے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اور غیبت کرنے والے کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہوتی (اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی) جب تک کہ وہ شخص جس کی غیبت کی گئی اسے معاف نہ کردے''۔(1)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''زنا کرنے والے توبہ کرلیتے ہیں اور غیبت کرنے والے کے لیے توبہ ہی نہیں ہے''۔(2)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''غیبت کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔(3)

غیبت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں کا کپڑا چھوٹا یا لمبا ہے تو گویا کہ اس نے اس کی غیبت کی۔

چغل خوری:۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ''قیامت کے دن لوگوں میں بدترین دو چہروں والا چغل خور (منافق) ہوگا آپ کے پاس اور چہرہ لے کر آئے گا اور دوسرے کے پاس اور چہرہ لے کر جائے گا''۔(4)

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص:۴۱۵

(2) مشکاۃ المصابیح ص: ۴۱۵

(3) مشکاۃ المصابیح ص: ۴۱۲

(4) مشکاۃ المصابیح ص:۴۱۱

اور فرمایا کہ قیامت کے دن چغل خور کا نہ کوئی سفارشی ہوگا اور نہ ہی اس کی گواہی قبول کی جائے گی"۔(1)

رزق حلال :۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا** "(2) کھاؤ جو اللہ نے تم کو حلال رزق دیا۔

حدیث شریف میں ہے: "إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَايَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا "(3) **بیشک اللہ تعالیٰ** پاک بے نیاز ہے اور وہ حلال کو ہی پسند کرتا ہے۔

چند بنیادی چیزیں ہیں جن کا اثر کئی پشتوں تک جاری رہتا ہے اور ان کے ذریعہ اس کی آل واولاد میں بے برکتی، بداخلاقی اور بدبختی کا بڑا امکان ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک رزق حرام بھی ہے جس کے کھانے سے انسانیت، حقانیت اور خدا کے ذکر کی طرف رغبت ختم ہوجاتی ہے اور گناہوں کی طرف میلان بڑھ جاتا ہے، اس لیے کہ بندے کے میدانِ عمل میں اترنے سے پہلے ہی اسے رزق ملنا شروع ہوجاتا ہے، بلکہ ماں کے شکم میں روح پڑتے ہی رزق کی فراہمی کا آغاز ہوجاتا ہے، احکام شرعیہ توسنِ بلوغ میں داخل ہونے پر لازم ہوتے ہیں مگر رزق شکمِ مادر ہی میں بچے کو ملنا شروع ہوجاتا ہے، لہٰذا اگر حلال رزق ہوگا تو بچہ نیک اور صالح ہوگا، ورنہ اخروی زندگی سے پہلے دنیاوی زندگی پر رزق کے برے اثرات نمودار ہوں گے، یعنی دارالعمل (دنیا) میں بندہ بے کار ہوکر آخرت میں رسوا ہوجائے گا۔

عبادت میں عدم حضوری کی بڑی وجہ:۔ ہماری نماز کا عالم یہ ہے کہ اپنے جسم کے ساتھ مسجد میں سجدہ، رکوع، اور قیام وغیرہ کرتے رہتے ہیں لیکن ہمارا دھیان کام کاج اور دنیا کے گورکھ دھندوں (بے کار کام) میں لگا رہتا ہے۔ وجہ یہ کہ عبادت کی چاشنی کے لیے جو صفات حسنہ ہمارے لیے درکار ہیں وہ ہمارے پاس نہیں ہیں، سچ بولنے کے بجائے ہمیشہ جھوٹ

---

(1) مشکاۃ المصابیح ص:۴۱۱

(2) پ ۷/ سورۂ مائدہ: آیت:

(3) مشکاۃ المصابیح ص:۲۴۱

میں ملوث رہتے ہیں، غیبت وچغل خوری کرنا ہمارا وطیرہ بن چکا ہے، اللہ پر ہمارا یقین کامل نہیں، ایمان کی کمزوری اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ذرہ برابر تکلیف سے بھی ایمانی جذبہ ڈگمگانے لگتا ہے، اس کے باوجود ہمارا نماز میں خشوع وخضوع کی تلاش کرنا آسمان کے تارے شمار کرنے کے مترادف ہے، یہ سب ہماری ہلاکت کے اسباب ہیں جو ہمارا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے۔

ہماری عبادت رسمی ہوگئی ہے: مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے ہیں؛ کم سے کم جمعہ کی نماز تو پڑھنا پڑے گا اور رمضان کے روزے رکھنے پڑیں گے، اس کی اصل لذت سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہتا، حالاں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے! ہماری ایسی عبادت کسی لائق نہیں، ہم لاکھ کوشش کریں وہی ملے گا جو مقدر میں ہوگا، ہم دوسرے کی برائی، غیبت، چغل خوری اور جھوٹ کا سہارا لے کر جتنا بھی مال حاصل کرلیں وہ حرام ہی ہے جو ہمارے لیے ہر آن مضر ہے، اور اس کے ساتھ عبادت میں دل جمعی محال ہے؛ اس لیے ہمیں ہر ایک چیز کی تلاش حلال طریقے سے کرنی چاہیے۔ خدائے غافر وکریم بہت بڑا مددگار اور کارساز ہے۔ (نعم المولي ونعم الوكيل)

علاج:۔ والدین پر یہ ضروری ہے کہ جب بچہ کچھ ہوشیار ہوجائے تو اسی وقت سے اس کی نگرانی کرنا شروع کردیں اور اس کی نقل وحرکت کی خبر رکھیں، شریعت مطہرہ کے بارے میں اسے تعلیم دیتے رہیں، اس کی غلطی پر اس کے مطابق سزا دیں، نماز وروزہ کی پابندی کی تاکید کریں، اور زندگی کے اصل مقصد کی تعلیم دیں تاکہ اس کی طرف وہ راغب ہوں، جب سن بلوغ کو پہونچ جائے تو غیر شرعی کام پر زجر وتوبیخ کریں (ڈانٹ پھٹکار کریں) اور ضرورت پڑے تو ماریں بھی (لیکن سخت مار نہ ماریں) تاکہ آئندہ وہ اس جیسی غلطی سے اجتناب کرے۔

اس کو خاندان، رشتہ دار اور خویش واقارب کی پہچان کرائیں؛ تاکہ بد سلوکی سے دور رہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں مکمل تعلیم فراہم کریں، اور سب سے ضروری یہ ہے کہ اصولی اور بنیادی چیزوں کی تعلیم وتربیت پر زیادہ توجہ دیں، جیسے: عقائد کی

درستگی، کیوں کہ اس کے بغیر ساری عبادت بے کار ہے۔اسلام میں کیا جائز، کیاناجائزاور کیاحلال،کیاحرام ہے ؟کس کے کرنے پر ثواب ملتاہے اور کس کے ارتکاب پر عذاب ؟کس میں خدااور سول ﷺ راضی ہیں اور کس میں ناراض ؟تاکہ ہماری زندگی درست ہوجائے ، اور ہم آخرت کے عذاب سے محفوظ رہیں، نیز میدان محشر میں شفاعت رسول اللہ ﷺ سے سرفراز ہوں اور اسی کے طفیل قربِ خدا میسر ہوسکے۔

جب وہ ذریعۂ معاش (کمانے) کے لیے نکلے تو واپس آنے پر حکمت سے اس کی خبرگیری کریں !تاکہ حقیقت حال سے باخبر بھی ہوجائیں اور اسے کچھ تکلیف بھی نہ ہو۔

الحاصل بیان کردہ تمام حقوق کی ادئیگی کریں اور جو خدانے حکم دیا (نماز ، روزہ، حسن سلوک وغیرہ)اس پر قائم ودائم رہیں۔ حرص ولالچ ختم کرکے حلال کمائی میں دل لگائیں ! اگرچہ کم ہو، نفس کی مخالفت کریں !کیوں کہ یہ ہمیشہ برائی کا ہی حکم دیتاہے اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے بھلی معلوم ہو، شیطان کے فریب سے باز رہیں ان شاء اللہ کامیابی قدم چومے گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم وعمل جیسی عظیم دولت سے مالا مال فرمائے،اور اہل سنت وجماعت پر قائم ودائم رکھے۔

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلتُ والیہ اُنیب

تمت بالخیر

عبدالرقیب نسیمؔ مصباحی ابن نسیم الدین

جمال نگر سہرسہ بہار

تعلیم نسواں وتربیت دختران اسلام کا عظیم مرکز

الجامعۃ الصادقیہ للبنات

جان کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس دور میں تشریف رکھتے تھے وہ عالم خاکی کا بہترین دور تھا، عرب کے چاند کے گرداگرد جن نفوس قدسیہ کا ہالہ تھا وہ بے مثال لوگ تھے جن کی نظیر چشم فلک نے دھرتی کے سینے پر کبھی نہ دیکھا، وہ وقت خیر القرون تھا، وہ صدی ایک مصطفوی انقلاب کی امین تھی، ایسا انقلاب جس کی تپش آج تک اہل حریت کے جذبوں کو رسد فراہم کرتی ہے۔ مہر رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ضیابار کرنوں نے جن لالوں کی حنابندی کی تھی، انہوں نے اپنے ادوار میں حسن معانی کی ایسی لازوال مشاطگی کی کہ فطرت کے غبار آلود چہرے سے آج بھی حق کا شباب جھلکتا ہے

چودہ صدیاں ہوئیں، فاران کی چوٹیوں سے توحید کی جو للکار بلند ہوئی، اس کی ہیبت اور جاہ وجلال سے کفر پر آج بھی لرزہ طاری ہے، اسی وقت سے بولہبی شرارے مصطفوی چراغوں سے برسرپیکار ہو گئے تھے اور کفر و اسلام کا ہولناک معرکہ اب بھی جاری ہے۔ اسی وقت سے دشمنان اسلام ہمارے جان ومال اور عزت وآبرو کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور ہمیں ہر طرح سے زیر کرنے کی کوشش کرنے میں لگے ہیں۔

ٹھیک دوسری طرف جان و مال کے علاوہ نظریاتی حملے بھی عروج پر ہیں خصوصًا ہندوستان کے مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ زنی کرنے کے لئے کبھی توحید پر بحث چھیڑی جارہی ہے، کبھی طلاق ثلاثہ پر حملہ کیا جارہا ہے، کبھی بابری مسجد کا مسئلہ کھڑا کیا جاتا ہے اور جامع مسجد شہید کرنے کی بات کی جارہی ہے ۔حج وزیارت کی راہ میں روڑے ڈالے جارہے ہیں۔ ان پر آشوب حالات میں ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو ان کی دینی اساس سے روشناس کرایا جائے اور زیور علم دین سے آراستہ کیا جائے تاکہ وہ طاغوت کے نظریاتی نرغے کو توڑ سکیں اور اپنے حصار کو عشق کے دائرے سے عبارت کر سکیں۔

خاکِ ہند میں خصوصًا خواتین اسلام کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کا بیج بویا جارہا ہے، انہیں اسلام کے حوالے سے بغاوت پر آمادہ کیا جارہا ہے اور حقوق کے نام پر انہیں گھروں سے نکالنے اور

محفلوں، ہوٹلوں، دفتروں اور بازاروں کی زینت بنایا جارہا ہے، اور مسلمانوں کا پہلا مدرسہ جو ماں کی آغوش ہے، اسے الحاد کی درس گاہ میں تبدیل کرنے کی مکمل منصوبہ بندی ہوچکی ہے۔ ایسے میں بہار کے دور افتادہ علاقے میں خانوادہ اشرفیہ کے شہزادگان نے "الجامعۃ الصادقیہ للبنات" قائم کیا جس کی بہاروں نے گلوں میں رنگ بھرنا شروع کردیا ہے، اور بہترین نتائج قوم کے سامنے آنا شروع ہوگئے ہیں۔

سنگ بنیاد سات مارچ ۲۰۱۸ کو رکھا گیا، اور تعمیر مکمل ہوتے ہی افتتاح بدست سربراہ اعلی تاج الاولیاء حضور سید جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی عمل میں آیا۔ اور سات جولائی ۲۰۱۸ سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز کردیا گیا۔ دختران ملت کو ردائے زہرا کا صدقہ بخشنے اور ان کا اسوہ عطا کرنے کے لئے دس کے لگ بھگ اساتذہ وملازمین مصروف عمل ہیں۔ ۱۶۰ طالبات علم و ہنر کے زیور سے آراستہ ہورہی ہیں، جن میں ۹۰ طالبہ ایسی ہیں جن کے طعام وقیام کا انتظام خود جامعہ کرتا ہے۔

مدرسے کے تحت دعوت وتبلیغ کی سرگرمیاں اور دور افتادہ گاؤں میں اسلام کا نور اور شریعت کی روشنی پہنچانے کی کوششیں قابل قدر اور لائق ستائش ہیں، اور عوام کا رجحان بھی قابل دید ہے۔ یہ سب کارکنان کے خلوص وللّٰہیت کی بہاریں ہیں۔ خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ سے دعا ہے کہ اس علمی مینارے کو قائم و دائم رکھے اور دور دور تک علمی قحط کے دفعیہ کی توفیق بخشے! آمین

آخری بات یہ ہے کہ یہ عظیم ادارہ کسی فرد واحد کے تحت نہیں بلکہ یہ ترویج واشاعت اسلام اور تبلیغ دین کا اعلیٰ مرکز اور احقاقِ حق وابطالِ باطل کے لیے علماء حق کی ایک بہترین تنظیم ہے، اس لیے ہر اعتبار سے اپنے اس دینی ادارہ کا تعاون کریں۔ فقط

اراکین: الجامعۃ الصادقیہ للبنات

محلہ دیوان صادق سمری بختیار پور سہرسہ بہار

صدر : سید ساجد اشرف اشرفی جیلانی :8757846794

سکریٹری : سید سلطان اشرف اشرفی جیلانی :9955015644

فروغ اہل سنت کے لیے امام اہل سنت کا دس نکاتی پروگرام

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔
(۲) طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔
(۳) مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں۔
(۴) طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے، معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔
(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائیں جائیں کہ تحریراً و وعظاً و مناظرۃً اشاعت دین ومذہب کریں۔
(۶) حمایت مذہب ورد بدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائیں جائیں۔
(۷) تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔
(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعداء کے لیے اپنی فوجیں، میگزین میں اور رسالے بھیجتے رہیں۔
(۹) جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔
(۱۰) آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت وبلاقیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ "آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درم و دینار سے چلے گا" اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق ﷺ کا کلام ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۲، ص: ۱۳۳)

عبدالرقیب نسیم مصباحی 9453060326

حافظ و قاری محمد نفیس عالم اشرفی 8116758654، مولانا نقیب احمد اشرفی علائی 8407881655

Email:abdurraqueebmisbahi@gmail.com